

محدث

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
وَسِعَ جَمِيعُ شَيْءٍ

8
4-3

جلد 8
3/4

3/4



مجلس التحقيق الإسلامي كادر بن بون لا هو

مدير اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۷۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ مہمات

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

لاہور

ماہنامہ

ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰

جلد ۸

ربیع الاول والاخر ۱۳۹۸ھ

عدد ۳-۴

فہرست مضامین

- ۱- فکر و نظر آزادانہ انتخاب اور شرط انتخاب
- ۲- انتخاب و حکمت ٹھہرو! ٹھہرو! حساب بحساب!
- ۳- السنۃ والحديث يوم سب
- ۴- دارالافتاء کسی فرمانروا یا عظیم لیڈر کی وفات پر سرکاری طور پر سوگ منانا شرعاً ناجائز ہے
- ۵- مقالات معلّم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم
- ۱- ادارہ مولانا اعجاز بیدی
- ۸- ترجمہ مولانا سیف الرحمن
- ۱۵- ڈاکٹر امان اللہ خاں
- ۲۰- شیخ عبدالعزیز بن باز
- ۲۳- پروفیسر عبدالحفیظ
- ۳۱- مولانا ربیع التوحیدی
- ۴۶- پروفیسر محمد سلیمان اظہر
- ۴۹- جناب طالب اشقی
- ۵۱- حضرت عکاشہ بن محسن اسدی
- ۴- تاریخ و سیر علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ طلب و محنت (۱)
- ۵- تعارف و تبصر کتب صحابہ کبار حضرت علیؓ کی نظر میں، اسحاق المڑی قصب اسکر
- ۶- شع و ادب سنت خیر الانام
- ۷- بدین بے من و نظر مسلم، محمد تمکیم

مدیر: حافظ عبدالرحمن مدنی، طابع: چودھری رشید احمد، مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴۰- شارع قاضی جناح، لاہور

نرسا لاہور: ۱۵۶۰ روپے فی جلد

۱۵۵۰ روپے فی جلد

فکر و نظر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آزادانہ احتساب اور شرط انتخاب

بات مرث اتی انہیں کہ جن رہنماؤں نے پاکستان کا تصور پیش کیا تھا انہوں نے،

پاکستان کا مطلب کیا — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

کاغزوہ بھی قوم کو سنا دیا تھا، اس لئے اب ان کو چاہیئے کہ وہ اس کی پابندی بھی کریں گے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر وہ یہ نعرہ نہ دیتے تو ہم عند اللہ بری الذمہ ہوتے، حالانکہ یہ بات اصول بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ایک مسلم کی حیثیت سے ہم اسلام کے سوا اور کسی نظام کے بارے میں سوچنے کے مجاز بھی نہیں ہیں۔ والا یہ کہ ہمس (حاکم بدین) خدا اور اس کے رسول کا کلمہ بھی پڑھنا چھوڑ دیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (شہ - النور)

مسلمانوں کی شان تو یہ ہے کہ ان کو جب خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے اچھے معاملات میں فیصلہ کریں تو پس (وہ دو لوگ بات) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے (طبیعی حکم) سنا اور خدا و رسول کا حکم مانا۔

کلمہ پڑھ کر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت سے گریز کرنا مسلمان نہیں ہے۔
وَلْيَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْوَسْطَىٰ وَأَطَعْنَا مُنْذُ بُدِّئْنَا وَنَعْمُ حُجَّتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ فِي مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (النور)

اور (دوسرے لوگ) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور خیر رسول پر ایمان لے آئے اور ان کی اطاعت کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد ان میں کہ ایک طبقہ روگردانی کر لیتا ہے (صحیح یہ حکم) وہ (دوسرے سے) مسلمان (بھی) نہیں ہیں۔

ان ایسے معاملوں میں وہ ضرور اطاعت کرتے اور بات بھی مانتے ہیں جس میں ان کا اپنا مفاد قریبے
وَأِنْ كُنْتُمْ كَاهِنًا أَوْ كُنْتُمْ كَاهِنًا أَوْ كُنْتُمْ كَاهِنًا أَوْ كُنْتُمْ كَاهِنًا (النور)

اور (ان) اگر حق بجانب ان کے ہو تو پھر بے اصل (کان دہائے رسول کی طرف) (وڑے) پلے آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ رنگ اطاعت اور مسلمانی کا رنگ نہیں ہے، بلکہ کاروباری رنگ ہے حالانکہ بات ایمان کی ہے اکابر باری نہیں ہے اس لئے اب یہ بحث کہ پاکستان کے بانی جناب محمد علی جناح مرحوم نے پاکستان کے حصول کے لئے جو کوشش کی تھی، کیوں کی تھی؟ یہاں موشگرم کی بنیاد پر مزدوروں کا بت نصب کرنا چاہتے تھے یا اسے سرمایہ داروں کی منڈی بنانا چاہتے تھے، ان کے سامنے صرف بت پرست قوم سے مسلمانوں کو نجات دلانا تھا۔ یا صرف قوم یہودی طرح اپنے کھوئے ہوئے وطن کی بازیابی کے لئے کوئی دھڑ دھوپ تھی؟ ہم کہتے ہیں کہ کچھ بھی تھا، ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیا ہیں کہاں کھڑے ہیں اور اصولاً ہمیں کیا کرنا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہمارا یہ دعوئے ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو حکم ہوتا ہے تو یہ اس کا ثبوت بھی لائیے اور جنہوں نے کلمہ پڑھ کر اس کا حق ادا کیا تھا۔ ان کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں آپ بھی اگر سچے ہیں تو انہی راہوں پر چل کر ہدایت کی مشعلیں روشن کریں۔

فَإِنْ أَمِنُوا بِيَدِي كَمَا آمَنَ مَثْنُمْ بِيهٖ فَخَدَّاهُنَّ ذَوَا (پ ۷)

تو اے اصحاب! اگر تمہاری طرح یہ لوگ بھی ان ہی چیزوں پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لے آئے ہو تو میں وہ راہ راست پر آگئے۔

فرمایا اگر یہ بات انہیں منظور نہیں ہے تو پھر نہ کیجئے خدا ان سے خود نپٹ لے گا۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي مَشْأَا ۚ ۚ فَمَنْ يَكْفِيكُمْ اللَّهُ - (دایعہ)

اگر وہ انحراف کریں تو (مجھ کو کہ) بس وہ (تمہاری) ضد پر ہیں تو (آپ متلی رکھیں) ان (کے) سے خدا تمہارے لئے کافی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اب ہم غلام نہیں رہے ایک مملکت کے وارث ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہماری ہوز و مہواریاں ہیں وہ ہم بھی ہیں اور ضروری بھی۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَنتُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا بِالْمَعْرُوفِ وَكَهَنُوا عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۱، الحج ۱)

یہ لوگ (شروع شروع کے مسلمان گواہ مظلوم میں) تاہم اگر (حاکم وقت بنا کر) اسم زمین میں ان کے پازل مجاہدیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔

یہ وہ قدرتی تقاضے ہیں جو بر حالات موجودہ میں پورے کرنے ہیں، الا یہ کہ آپ "مسلم" کہلانا چھوڑ دیں۔ ورنہ مسلم کہلانا صرف کلمہ پڑھنا نہیں، کلمہ پر جان چھڑکنے کا نام ہے

چوں می گویم مسلمانم بلزیم کہ دائم مشکلات لا الہ را
یعنی ماسوی اللہ سے پلہ جھاڑ کر خدا کے حضور حاضر ہونے کو مسلم کہتے ہیں۔ جو لوگ اغراض و فرائض
خدا کے حضور جھکتے ہیں۔ وہ گویا کہ مشروط کلمہ پڑھتے ہیں اور خدا کے ہاں سجدے پہنچتے ہیں۔
سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے اے بے خبر جزا کی متنا بھی چھوڑ دے
واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں اقبال کو یہ مذہب کہ دنیا بھی چھوڑ دے
اگر آپ سمجھتے ہیں کہ سچے مسلمان کے یہی خصائص، حقوق اور فرائض ہیں تو پھر آپ کے لئے
یہ فیصلہ کرنا آسان ہو سکتا ہے کہ احتساب پہلے یا انتخاب! واقعی اگر آپ ایک مسلم ہیں اور مسلم کی حیثیت
سے اپنے لئے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں تو آپ کو بالآخر یہی کہنا پڑے گا کہ:
احتساب پہلے ہو، بے لاگ ہو، اور فیصلہ کن ہو، کیونکہ وہ نظام حیات جو آپ کو مشکل اور
غالب کرنا ہے اس کے لئے نقص پھنپھنوا میرے غیرے اور غیر محتاط لوگ نہیں چاہیں۔ بلکہ یہاں ان
لوگوں کی ضرورت ہے جو ملت کے مزاج کو سمجھتے ہیں جو ایک مسلم کی حیثیت سے اپنے فرائض اور
ذمہ داریوں کو جانتے ہیں جن کی زندگی ننگ دین، ننگ قوم اور ننگ عمل کے الزام سے پاک ہے
جن کی آنکھوں میں خدا، رسول، ایمان اور قوم کی شرم ہے جو ملک و ملت کے تقاضوں کو جانتے اور
سیاسی سوچ بوجھ رکھتے ہیں۔ وہی مبارک لوگ ہماری ناؤ کے اصل کھینوں ہاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحیح
اور بے لاگ احتساب کے بغیر ایسے حضرات کا ملنا آسان نہیں ہے۔ جسے آپ جمہوریت کہتے ہیں اس
نے تو ہر کہ مر پر قیادت کے دروازے کھول دیئے ہیں، فرعون آجائے یا کوئی بے حیّا حق آجائے
یا کوئی ملک دشمن! اس کی بکاسے۔ اس لئے ضروری ہے کہ:
ان لوگوں کو پہلے کھڈکا لاجائے جو اپنے آپ کو ”بے خبرے عوام“ کے سامنے پیش کر کے ان کی
آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، جو عرصہ سے ملک و ملت کے نازک فزوں پر بوجھ بنے آ رہے ہیں
آج تک جن کی قیادت نے پاکستان کے بچنے اوصیڑے ہیں اور وہ اس کی پاک مٹی سے کھلتے
آ رہے ہیں۔ کھڈکا لئے کا محرک ایک یہ امر بھی ہے کہ:
جن لوگوں کی جیب میں پیسے تو ہوتے ہیں مگر صلاحیتوں سے خالی ہوتی ہیں۔ وہ حقیقتاً منتخب
نہیں ہوتے بلکہ ووٹوں کا کاروبار کرتے ہیں اور قیادت خرید کر اسمبلی میں آ سکتے ہیں۔
کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جو صرف با اثر لوگوں کے طفیل ہوتے ہیں اور ان کی معرفت لوگوں پر شجون
مارتے ہیں اور ان کی جیبوں سے ووٹ اچک لیتے ہیں۔

اور کچھ شعبہ باز اور مداری ہوتے ہیں جو لوگوں کو باتوں کے گرداب میں لاکران کے دوتوں سے اپنی چاری بھرتیتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں جو خود تہی دامن ہوتے ہیں مگر اپنی خاندانی ساکھ کے بل بوتے پر لوگوں کے دوٹ بھتیانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ان میں اکثریت ان نام نہاد نمائندوں کی ہوتی ہے جو نمائندگی کے پریڈ میں اپنے منہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے اثر و رسوخ کی دکان لگاتے ہیں۔ اور اپنی ہر خدمت کے عوض دامن کھڑے کرتے ہیں اور خرچے بھی۔

ایوان نمائندگان میں داخل ہوتے ہی آپ یہ بھی محسوس کریں گے کہ یہاں بے سمجھ لوگوں کی بھرگی ہے جو نہیں جانتے ملک و ملت کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہیں کیا کرنا ہے بس ہر دھنگ پر اونگھتے ہوئے ہاتھ کھڑا کر دیتے ہیں۔ معاملہ کیا پیش ہوا اور اس کی مناسب کیفیت کیا ہے؟ ان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا صرف اتنا کرتے ہیں کہ اپنے آس پاس دیکھ بیٹے ہیں، کہ ان کی پارٹی کے آدمیوں کے ہاتھ کھڑے ہیں یا نہیں۔ اللہ اللہ غیر سنا!

سیاسی سمجھ بوجھ کے علاوہ علم و ہوش، مہارت نفس اور کردار کی بلندی سے بھی اکثریت تہی دامن ہوتی ہے یقیناً سمجھئے! ہمارے ہاں نمائندوں کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ عموماً انتہائی مایوس کن ہوتی ہے اَللّٰہُ اَشْہَدُ۔

اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ پھر وہی کھیل ہو جو اب تک ہوا آ رہا ہے۔ اگر واقعی آپ بھی اس سے تعاون کرتے ہیں تو انتخاب سے پہلے احتساب کا رولر بہر حال چلے اور خوب چلے۔ جب خام دانے پس جائیں تو پھر بختہ مال کو سیاسی مارکیٹ میں لانے کے لئے انتخاب کرائیے، تاکہ ملک و ملت کو شایان شان قیادت کی دولت مل سکے۔

جو لوگ پہلے یا ساتھ ساتھ انتخاب کے خواہشمند ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں، انتخاب ہونے کے بعد یہ صورت حال دیکھ کر وہ بالآخر ضرور پریشان ہونگے کہ جن سے پرہیز چاہیئے تھا وہ بھی آدھکے ہیں۔ کیونکہ منتخب ہونے کے بعد وہ بلائے بے دریا بن جاتے ہیں۔ وہی استحصال، ہتھکنڈے، وہی سیاسی شتر غرے، وہی سیاسی عیاشی، وہی اقتدار کے جھوٹے، وہی لن ترانیاں، وہی دھونس، وہی دھاندلی الغرض "وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے" جیسا سماں طاری ہو جاتا ہے چنانچہ اقتدار پر فائز پارٹی اپنی کرسی کے تحفظ کے لئے ایسے لوگوں کو راہ پر لانے کے بجائے ان کی بھونے کے لئے سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اندر داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو ایوان

سے باہر روکنے کی کوشش کی جائے جس شخص کم جہاں پاک۔

ہاں اگر احتساب ضروری ہے لیکن مختص سے نکلنے کے لئے تنہا اسے بھی ہم کافی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ نہ سہی۔ ان کے در بھائی بہت میں کیا ان سے غلطی پانے کے لئے ہر اگلے ایکشن کے بعد پھر ان کی چیلنگ اور احتساب کا چکر چلایا جاتا کرے گا۔ پھر تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ قوم تو پھر انہی چکروں میں ہی پڑی رہیگی۔ ہمارے نزدیک اس کا صحیح حل یہ ہے کہ:

(۱) احتساب کا دائرہ اور وسیع کیا جائے یعنی یہ بھی دیکھا جائے کہ گزشتہ اسمبلیوں میں کس نے کیا قابل ذکر قوم کی رہنمائی کی ہے اور کس نے اپنی نمائندگی کے پیرٹ میں اپنے علاقہ کا معیار بند کیا ہے۔ جو ان میں کتنی کمی ہوئی، مظالم کی کس قدر تلافی کی گئی، سماج دشمن عناصر کا زور کتنا ٹوٹا، تعلیم کا معیار کتنا اونچا ہوا۔ انضامیہ کس قدر سیدھی رہی۔ امن و انصاف کا چلن کتنا عام ہوا۔ بے روزگاری، بیماری اور کساد بازاری برقرار پانے کے لئے انہوں نے اپنے اپنے علاقہ میں کیا کیا کوششیں کیں؟ اگر اس باب میں وہ صفر پر سے یا بارے نام اس کی کہیں کوئی دھندلی سی صورت نظر آئی تو اس عضو معطل "کو کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ ایسے کڈ فو بن، عدوت، اور بیکار نمائندے سے قوم کو نجات دلا کر کسی اہل تر شخصیت اور جوہر قابل کے لئے سیٹ کو خالی کر لیا جائے۔ ورنہ یقین کیجئے! یہ متداول احتساب، آخری احتساب ثابت نہیں ہوگا۔

(۲) دوسرا یہ کہ امیدوار نمائندگی کے لئے پہلے سے کچھ شرائط اور مناسب فارمولے تیار کر لئے جائیں جو ان کو پورا نہ کر سکے، اس کو انتخاب لڑنے کا نااہل قرار دیا جائے مثلاً یہ کہ:

(۱) اسے نیک شہرت حاصل ہو (۲) نماز، روزہ، زکوٰۃ کا پابند ہو۔ (۳) غریب پرور ہو (۴) اہل علم ہو (۵) سیاسی سوچ بوجھ کے لحاظ سے اگلی خدمات معروض ہوں۔

(۳) تیسرا یہ کہ وزیراعظم اور صدر کے لئے ضروری ہو کہ وہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا مالک ہو۔ باعمل اور کثافت سے باخبر ہو۔

(۴) چوتھا یہ کہ اگر نمائندگی کے پیرٹ میں ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جس سے نمائندگی کی برکات کی نفی ہو، تو تو ثبوت کے بعد ان کے انتخاب کو کالعدم کیا جائے۔

(۵) پانچواں یہ کہ انتخاب لڑنا آسان اور مستحکم کر دیا جائے تاکہ جو "جوہر قابل" اپنی مالی کم مائیگی کی بناء پر آگے نہیں آسکتے، وہ پس پردہ نہ چلے جائیں۔

(۶) انتخاب سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اسے اپنے علاقہ میں اپنی نیک شہرت اور خدمات کی بناء پر قبول عام کتنا حاصل ہے۔ اگر اس کے لئے آپ امیدوار کو ہر طرح کے جھوٹے سچے چکر

چلانے کی اجازت بھی دی گئی تو "قدرتی انتخاب" حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جو قبضہ جواری ہوگا۔ اتنا وہ کامیاب ہوگا۔ اس لئے نصاب کو "قدرتی حالات" کے حوالے کر کے دیکھ لیا جائے کہ کسے عوام نے خوش دلی سے قبول کیا ہے۔

ہاں امیدوار کو صرف اتنی اجازت ہو کہ وہ ایک استہوار کے ذریعے اپنی تعلیم، اپنے منشور کی موٹی موٹی باتوں، خدمات اور تجربہ سے اپنے علاقہ کے عوام کو مطلع کر سکے اس سے زیادہ کسی دوسرے دھوپ کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ ورنہ لوگ فریب کھا جائیں گے اور اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ اگر خلفاء راشدین کے طریق انتخاب کو حرجاں بنایا جائے تو پھر وہ اور یہی شارٹ کٹ ثابت ہوگا۔ اور قدرتی بھی انتشار اللہ ہمارے نزدیک انتخاب کا صحیح طریقہ وہی ہے جو ہم پہلے سابقہ پرچوں میں بیان کر چکے ہیں۔ اب کے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ صرف گذار دلی بات ہے۔ نامزدگان کے لئے "ایمان اور عمل صالح" کی فہرست گامی گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس پہانہ سے بہ لوگ نیک بن جائیں۔ کیا عجب کہ قرآن چرانے والا چور سچے حامل قرآن ہی بن جائے۔ بہر حال جو شخص اس کو آزمائے گا اسے ثواب نذر ہوگا +

ترجمان الحداثہ

مَدِّ اَعْلٰی

اِحْسَانُ الْاِلٰهِیْ ظٰہِرٌ

طاہر حق طاہر حق اور اللہ کی نعمتوں پر شرب گاری

وہی حقیقت کا علم ہمارا

اسلامی ثقافت و نظام کا داعی

سلفی عقائد کا نقیب

روحانی اقتدار کا پامبر

ہر شمارہ پاکستان کے امور اہل فہم کی نگارشات سے آراستہ و پیراستہ۔

اور مدیا علی کے قلم سے ہر ماہ حالات، مناظرہ پر بصیرت اور فہم بھرے۔

فی شمارہ = ۵۰ پیسے = سالانہ ۹ روپے

پیرون ممالک علاوہ محصول ڈاک ۹ روپے

خط و کتابت اور قریبی ذریعہ کا تہ:

پتھر ترجمان الحداثہ = ایک روٹہ = انارکلی = لاہور

الکتاب والحکمة

عزیز نعیمی

مظہر و باظہر و حساب و حساب!

(۱)

اِقْتَرَبَ النَّاسُ حِسَابَهُمْ وَهُمْ فِي عَمَلَةٍ مُعْضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ
مَنْ رَبِّهِمْ فَعَدَّ ۝ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَا هِيَ اِلَّا نَفْسٌ لَّهُمْ وَاسْرُؤُ الْعَجْوِی
الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا هَلْ لَّهُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ اَفَتَأْتُوْنَ السَّعْرَ ۝ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ

(نہارہ ۶، سورہ الانبیاء ۱۸)

لوگوں کے حساب (کا وقت) قریب آ گیا۔ اس پر بھی وہ غفلت میں، پرے سے منہ کئے ہوئے (چلے جاتے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نیا حکم آتا ہے۔ بس اسے منہ ہی (مخول) کرتے ہوئے سنتے ہیں (اور ان کے دل (میں کہ مطلق) توجہ نہیں۔ اور یہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص اسے ہی کیا۔ تم ہی بے ایک انسان رہی، ہے تو کیا تم دیدہ و دانستہ باوجود (کی باتیں سننے کو) آتے ہو؟

غفلت کے مایے اور یوم حساب۔ موت اور قیامت، دو ایسے لمحات ہیں، جن میں حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے تو ہر پیش آنے والی شے قریب تصور کی جاتی ہے۔ لیکن موت تو ایک ایسی گھڑی ہے جو بس آنے کو ہے اور اسے ہر ایک انسان محسوس بھی کرتا ہے۔ اس کے باوجود حالت ہے جیسے کچھ بھی نہیں ہونے والا، حساب نہ کتاب۔ یہ غفلت اور بے ہوشی کی انتہا ہے۔ اور یہ وہ کیفیت ہے جس میں ہزاروں مہلک خطرات مخمّر ہوتے ہیں۔

قرآن سیم کو یہ شکوہ ہے کہ حساب کتاب کی گھڑی سر پر گھڑی ہے۔ مگر ان منکروں اور نیکوں کو دیکھئے کہ وہ اپنے اندر غفلتوں میں ہیں لگے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ان کو اپنے کرتوتوں کی فکر ہے نہ اس سلسلے کے حساب کی۔

جب کسی طرف سے کوئی خصلہ درپیش ہو تو انسان خواہ کبھی حال میں ہو اور کہیں ہو۔ اس کی نگاہ ہر حال اسی طرف لگی رہتی ہے۔ بار بار نگاہیں اسی طرف کو اٹھتی ہیں۔ کھٹکا بڑھا ہے کہ کل نہیں پڑتی۔ اگر کوئی شخص اس کے بجائے منہ ہی دوسری طرف کر لیتا ہے۔ اور پھر اس اعتراض اور بے پرواہی کے ساتھ ساتھ دل بھی اسے

احساس سے خالی ہو رہا ہے۔ تو پھر یہی کہا جائے گا کہ میں ان کے دن برے آئے قرآن حکیم کا ارشاد ہے،
کہ ان معصیت کوئی غافلوں کا بھی یہی عالم ہے۔ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّمَّكَ خُوفٌ۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم ایک ایسے ماحول میں ہوتا ہے کہ ہوش میں آنی والی کوئی بھی بات
اس کے کانوں میں نہیں پڑتی ہے اس لئے وہ مست است ہو رہتا ہے لیکن غضب تو یہ ہے کہ غور سے
کا الارم بھی ہوتا ہو۔ گھنٹی بھی بج رہی ہو۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس کو جگانے والے جگانے کی کوشش کر رہے
ہوں۔ منکر یا رہے کہ نہیں سنتا۔ نہ کھنکھناتے، نہ کھنکھناتے، نہ کان نہیں کتا، اگر کرتا ہے تو صرف اتنا کہ آپ
کو دیکھ کر ہنس دیتا ہے۔ یوں جیسے کسی نے اس سے دل لگی کی ہو۔ یا یہ سمجھا ہو کہ یہ کوئی پاگل ہے جو پاگلوں
جیسی بڑیں تک رہا ہے۔ کَايَا رَتِيمٍ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِم مَّتَّحَدٍ اَلَا اسْتَعْوَا وَهُمْ
يَلْعَبُونَ۔

اب آپ۔ ایسے شخص کی شقاوت، بدنصیبی اور محرومی کا خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ مال آخر وہ کس انجام
سے دوچار ہونے والا ہے اور کل کیا اس کا حشر ہونے والا ہے۔ یقین کیجئے یہی کیفیت اس بدنصیب قوم
کی ہے جس سے آج داعیان حق کو پالا پڑ گیا ہے۔ یہ بے ہوش، یہ بدست، یہ رنگیلے شاہ، یہ سحرے
یہ منکر اور اپنے ماسوئی ساری دنیا کو پاگل، احمق اور نادان سمجھنے والے یہ مفسد اور مست سارے لوگ حق
اور الٰہی حق کو باتیں بنا کر اپنی موت اور آخرت کو ہی بوجھل بنا رہے ہیں۔ کسی کا کیا بگاڑ ہے میں لیکن ابھی
ان کو اس کا ہوش نہیں ہے۔ جب ان کو ہوش آیا، ہوش ہی جاتے رہیں گے۔

ان ازلی بدنصیبوں کی شقاوت کی انتہا یہ دیکھئے کہ داعیان حق کے پیہم اصرار کے باوجود اگر کوئی
بات ان کے کانوں میں پڑ بھی گئی ہے۔ تو اب اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے انہیں اس کا راہ
نہ ہونے کے لئے سازشوں میں لگ جاتے ہیں۔ سب سے بڑا جو تیرہ چلا سکتے ہیں وہ بات پر غور نہیں کریں گے۔
وہ بات کرنے والے کی ذات کو موضوع بحث بنالیں گے۔ یہ ایسا وہ دیسا، اسکے باوجود بھی کام نہ چلا تو پھر
یہ کہہ کر سچل دینگے کہ جناب! بات و ات کچھ نہیں۔ یہ ان کے الفاظ کی شیعہ گرا ہے۔ لفظوں کی ساری اور
جادو بیانی ہے۔ ایک عقلمند کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ کسی کے صرف لفظوں کے ہیر پھیر سے اپنے مستقل
موقف اور ڈگر کو بدل ڈالا جائے۔ هَلْ هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ه اَقْتُلُوْنِ السَّحَرَةَ وَاسْتَمُّوْا
يَنْظُرُوْنَ۔

خدا کا واسطہ دے کر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آج ہم اسی شیخ پر نہیں کھڑے، کیا آج ہم اسی
دور سے نہیں گزر رہے، کیا آج ہم کو ایسے ہی کوڑھیوں سے واسطہ نہیں پڑ گیا؟ اس کے بعد آپ خود ہی غور

فرمائیں کہ اگر اس قوم کی اب بھی یہی کیفیت رہی تو کل اسکے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ان امانوں کو دنیا میں جو بنگلان بنگلہ پڑ رہا ہے۔ اس قوم کے ذہین افراد قانڈول اور منتخب روزگار نمائندوں کے کردار اور اس کے انجام کی جو تفصیل آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ اس سے اس قوم کی عمومی ذہنیت، عملی پستی اور بدستی کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ جہاں اس قوم کے خواص کا یہ حال ہے۔ اس کے عوام کا خداجانے کیا حال ہوگا۔ یہ اختساب جواب قوم کو درمیش ہے، اس اختساب کی ایک ایسی جھلک ہے جو آخرت میں ہونے والا ہے

جو چہ رہے گی زبانِ سخن ہو پکارے گا آئیں گا

۴۔ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ فَلَيْسَ بِي كَمُؤْتٍ كَثِيرَةٍ ۖ وَكَمْ أَدْرَمَ مَا حِسَابِي ۚ هَٰذَا يَلِيَّهَا كَاتِبٌ الْعَاقِبَةِ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي ۚ هَٰذَا هَلَكٌ عَنِّي سُلْطَانِي ۚ خُذْهُ ۖ فَعَلُوهُ ۚ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلَّوهُ ۖ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۚ (پ ۲۹ - الحاقہ ع)

”اور جس کو نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا۔ اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال (اعمال) ملایا نہ ہوتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے! اے کاش! مرنے سے (میری سستی کا) فائدہ ہو گیا ہوتا۔ میرا مال میرے (کچھ بھی) کام نہ آیا۔ مجھ سے میری بادشاہت ٹٹ گئی (پھر ہم اسکی بابت حکم دینگے) کہاں کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو۔ پھر کشتاں کشتاں لے جا کر اس کو جہنم میں دھکیل دو۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ گروں میں ستر گز ہوگی۔ اس کو خوب جکڑ دو۔“

یہ وہ جماعت ہے جس پر بے لگ احتساب کے بعد فردِ جرم عائد کر دی گئی ہے۔ اور ان کو اب نامہ اعمال پڑھنے کو دیا جارہا ہے۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں۔ چنانچہ پڑھ کر ان کی چیخ نکلتی گی۔ ہائے ربا! یہ بات تھی۔ مجھے نامہ اعمال کا ہے کو دکھایا، الہی! اب تو مجھے موت ہی آ جاتی۔ اب تو ایک ایک کر کے ہمارے سہارے میرا ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں۔ جاگیریں اور زمینیں وطن اور دولت سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ انہی کے ہمارے اپنی خدائی کے تخت بچھائے تھے۔ وہ اب بالکل بیکار ہو رہے ہیں۔ تخت و تاج، فوج و سپاہ، پارٹی اور جان چھڑکنے والے عوام سب غائب ہیں۔ وہ صدارت، یہ امارت، وہ وزارت اور یہ حکومت خدا جانے کہاں جا چھپی ہیں۔

کس نئی پرس کہ بھیا کون ہو

یہ چیخ و پکار ہو رہی ہوگی۔ ادھر سے آواز آئے گی۔

اسے انسان کی شوقی قسمت قرار دیا گیا ہے کہ اس نے جتنا اور جیسا کچھ برا بھلا کیا۔ وہ یہاں نہیں رہ جائے گا وہ کچا چھٹا بھرا و خستر تک بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اور بالکل اسی طرح جس طرح کہاوت مشہور ہے کہ "میں تو چھوڑنا ہوں کبیل نہیں چھوڑتا" زندگی کا ایک ایک لمحہ اور حیات مستعار کی ایک ایک گھڑی کا حساب ہوگا مے لگ ہوگا، بھر پور ہوگا، جامع ہوگا، کم نہ بیش، بالکل منصفانہ ہوگا پھر اسے یہ کچا چھٹا پڑھنے کو دیا جائے گا۔ کہ وہ پڑھ کر دیکھ لے کہ اسے کہیں یہ شکوہ تو نہیں کہ

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پرنامی

آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

کیونکہ آج کل سی آئی ڈی کچھ ایسے کام بھی کر رہا کرتی ہے کہ معزز شہریوں کا علاقہ بند کرنے کے لئے جھوٹے الزامات کی ایک فہرست تیار کرتی رہتی ہے۔ لیکن وہاں آدمی کوئی دم تحریر بھی تھا جیسی بے طینانی کا جواب بھی ساتھ ہی ہوگا کہ یہاں صرف آدمی کوئی اور دم تحریر والی بات نہیں بلکہ وہاں تم خود تھے۔ تم خود اس کے گواہ ہو۔ تَحْتَمُّ عَلَیْهِمْ اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَیُّ یَسِرِّمْ وَتُكْشِفُنَا اَرْجُلَهُمْ بِمَا كَانُوا یَكْسِبُونَ ۝ (پل - یسین ۷)

"آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں اور جیسے کڑوت یہ لوگ کیا کرتے تھے، ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور ان کے پاؤں بھی گواہی دے ڈالیں گے (بلکہ ایک ایک رونا گواہی دے دیا کر ڈکی طرح بول اٹھے گا۔"

حَتّٰی اِذَا جَاؤْاْ هَا شَہِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَاؤُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا یَعْمَلُوْنَ (پل - حم السجدہ ۷)

"یہاں تک کہ جب سب (دورخ پر جمع ہونگے۔ جیسے جیسے عمل یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے گوشت) پوست ان کے مقابلے میں گواہی دیں گے۔ آخر اعتراف جرم کے سوا چارہ نہیں رہے گا۔ تو بول اٹھیں گے۔ الہی! غلطی ہوئی۔ کَا عَتَرْنَا بِذُنُوبِنَا (پل المؤمن ۷)

"تو اب) ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔"

بہر حال دنیا انصاف کا آخری دن نہیں ہے۔ بلکہ ابتدائی ہے۔ اور بالکل ابتدائی۔ پورا اور منصفانہ

کل ہوگا۔ اس دن کے لئے آج ہی سوچ لیجئے۔ کل سوچنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا بہر حال انصاف ہوگا اور شدید ہوگا وہاں سب کے پرے چاک ہونگے اور سب کے سب فاش ہوکر رہیں گے۔ هَلْ مِنْ مُّدَّةٍ لَّکُمْ

۷۔ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْكُوتُونَ (۳۳۔ الصّٰفّٰتِ ۷)

” (ہاں!) ان کو ٹھہراؤ! ان کا احتساب کرنا ہے۔“

سوال ہوگا کہ جناب! دنیا میں جو حق اور ناحق ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ اب کیوں نہیں کرتے؟

مَا كُنتُمْ لَنَا صِدِّقِينَ (۳۳۔ الصّٰفّٰتِ ۷)

”اب ایک دوسرے کی مدد تو بجا رہی۔ ایک دوسرے کو کوسیں گے کہ تو نے بھی میرا بیڑا

غرق کیا۔“

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۚ قَالُوا إِنَّا كُنَّا نُتَوَنَّىٰ عَنِ الْيَوْمِينَ
قَالُوا بَلْ لَّكُم مَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ
طٰغِينَ ۚ (ایضاً)

”اور ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے پوچھا پوچھی کرینگے۔ ایک فریق (دوسرے فریق سے)

کہے گا کہ تم ہی ہم پر پل پل کر آئے (اور بہکتے تھے۔ وہ جواب دیں گے (کہ نہیں)

بلکہ تم خود ہی بے ایمان تھے۔ اور تم پر ہمارا کچھ زور تو تھا نہیں۔ واقعہ یہ ہے تم خود ہی فطرتاً
سرکش تھے۔“

یہ صورت دیکھ کر کہیں گے کہ مائے اتنی دور ہوتے کہ ایک دوسرے کا منہ ہی نہ دیکھتے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ قَالَ يَلَيْتُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ ۚ (۳۴۔ زُحُفِ ۷)

فرمایا اب اس نے مے سے کیا بنے گا۔ تم دونوں ذلیل تھے۔ اور مل کر ہی ہوتے کھاؤ۔

وَلَكِنْ يَنْفَعُكُمْ الْيَوْمَ مَا إِذْ ظَلَمْتُمْ ۚ إِنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ (ایضاً)

جو بے لیدروں، گمراہ مکرانوں اور بدکار ساتھیوں کا آج ساتھ دے رہے ہیں، سوچ لیں

یہ یاری کل بھی جاری رہے گی۔ اور بڑی ہنگامی پڑے گی۔ مزہ تو جب ہے کہ اس وقت بھی آہ نہ بکھے۔

لیکن دہاں جو حال ہوگا، بہت ہی عجیب ہوگا۔ ایک دوسرے پر لعنتیں کرینگے اور کہیں گے۔ الٹی!

انہوں نے ہمارا بیڑا غرق کیا تھا۔ آج ان کو دو گنا عذاب میں مبتلا کر جواب دے گا۔ درخواہت

منظور۔ پر دونوں کے لئے:

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لِّأَحَدِهِمَا حَتَّىٰ إِذَا دُرُّوا فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُحْرَاهُمْ

يَا وَيْلَهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَعْلَوْكُمْ ۖ فَاتَّبَعْنَاهُمْ عَذَابًا أَلِيًّا ۖ فَضَعَفَا مِنَ النَّارِ ۚ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ

سبب ایک گردہ دوزخ میں جائے گا تو اپنے رفیق گروپ پر لعنت کرے گا۔ یہاں تک کہ جب سب کے سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پہلی جماعت کے خلاف بددعا کرے گی۔ لے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس لئے ان کو ہر عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا (ٹھیک ہے) سب کے لئے دگنا ہو گا۔

عوام کو چاہیے، بلکہ ہر خاص و عام کے لئے مقام غور ہے کہ وہ سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ کس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ کہاں لے جا کر تھیں کھڑا کریں گے۔ اگر اب آپ نے غور نہ کیا تو کل کچھ نہ ہو گا۔

معذرت

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے قارئین کو محدث کے شمارہ ہذا کے لئے انتہا کی زحمت اٹھانی پڑی کیونکہ اس دفعہ مجبوراً محدث ہمیں دوماہی پیش کرنا پڑا ہے۔ باوجودیکہ ہم محدث کے انتہائی معاملات کئی ماہ سے درست کر کے محدث کی بروقت ترسیل کر رہے تھے۔ لیکن صفر المظفر ۱۳۹۸ھ کے آخری ہفتہ میں اچانک ادارہ محدث کے ناظم اعلیٰ حافظ عبداللہ صاحب امتیاز سری کراچی میں شدید علیل ہو گئے۔ ان پر *appendicitis* کا حملہ ہوا اور آپریشن سے قبل ہی ان کا *appendix* پھٹ گیا۔ اگرچہ آپریشن سے صفائی کی پوری کوشش کی گئی لیکن کئی روز موصوف کی حالت تشویش ناک رہی۔ محدث کے مدیر اعلیٰ فوری طور پر عازم کراچی ہو گئے۔ اور محدث کا شمارہ ربیع الاول والاخر صفر میں پریس نہ جاسکا۔ اب تقریباً ڈیڑھ ماہ کے مسلسل علاج کے بعد حافظ عبداللہ صاحب کی طبیعت سنبھلی ہے تو مدیر اعلیٰ واپس لاہور آئے ہیں اس طرح سے محدث دوماہی ربیع الاول والاخر کا مشترکہ شمارہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، سہ ماہی ڈال کیا جا رہا ہے۔ ہم قارئین سے اس جبری تاخیر پر معذرت خواہ ہیں۔

(ادارہ)

یوم حساب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُعَوِّضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ فَأَمَّا عَرَضَتَانِ فَحِذَالُ وَمَعَاذُ يَوْمَ مَا الْفَعْنَةُ
الثَّالِثَةُ قَوْلُهُ ذَلِكَ لِكَيْ تَطِيرَ الْأَصْحَفُ فِي الْأَبْدَانِ فَاحِذُ بِمَعِينِهِ وَاحْذُ بِشِسَالِهِ
(رواہ احمد و ترمذی و بیہ افقاع)

تین پیشیاں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قیامت کے دن لوگوں کو تین بار
پیش ہونا پڑے گا۔ سو پہلی دو پیشیوں میں ”لے دے“ ہوگی اور ”معدرتیں“ رہی تیسری پیشی، تو
اس موقع پر اعمال نامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، کچھ تو اپنے دامن ہاتھ میں
لیں گے اور کچھ بائیں ہاتھ میں۔“

جدال۔ یعنی لے دے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑیں گے کہ جناب! آپ کے پیامبر ہمارے
پاس پہنچے ہی نہیں تھے، ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ آپ کس بات سے خوش ہوتے ہیں اور کس سے
ناراض۔ یا یہ کہیں گے کہ:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کچے پر ناقی آدمی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

معاذیر۔ جب انکوائری مکمل ہوگی اور ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ خدا کے حضور وہ اب
چھپ نہیں سکے تو پھر ہاتھ جوڑیں گے، منتوں سے کہیں گے، الہی! معاف کرو، غلطی ہوئی
یا یہ کہ میں تو اس کے حق میں نہیں تھا، فلاں شخص کے بہکانے پر بہک گیا، یہ ہو گیا وہ ہو گیا، یعنی
جیلے بہانے تراشیں گے۔ ع

خوئے بدرابہانہ بسیار

الصحف۔ اب اعمال نامے ہر شخص کے ہاتھ میں تھا دیے جائیں گے، نیک لوگوں کو دامن ہاتھ میں
برون کو بائیں ہاتھ میں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاطر لوگ وہاں بھی شرم نہیں کریں گے، چاہیں گے کہ کسی

طرح خدا کو بھی طرح دے جائیں۔ کیونکہ جو غیث بڑ پکڑ جاتا ہے وہ میدانِ محشر تک ساتھ چلتا ہے اس لئے وہاں جا کر اور فاش اور ننگے ہوں گے، چونکہ موقع پر پکڑے جائیں گے۔ اس لئے کوئی بات بھی نہیں بناسکیں گے۔ بہر حال جو لوگ یہاں پر اپنی عادت اور خصلت نہیں بدلیں گے وہ اپنے خلاف خود ہی ایک اور گواہ ہمراہ لے جا کر قیامت میں اپنی گرفتاری کا سامان کرینگے۔ سوچ لیجئے! آج آپ کہاں کھڑے ہیں اور آپ کے شب و روز کیسے ہیں اور کل ان کا انجام کیا ہوگا؟

الَّذِينَ فِي أَرْحَامِهِمْ مَّرْكُومٌ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ هُمْ كَافِرُونَ ۖ
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۖ وَأَقَامَ فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَدُ كُرُ
 أَحَدٌ أَحَدًا، عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيْخَفُ مِيزَانَهُ أَمْ يُثْقَلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ
 حَتَّى يُقَالُ هَؤُلَاءِ أَقْرَبُ الْكِتَابِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وَضِعَ بَيْنَ ظَهْرِي جَهَنَّمُ
 (البرادؤ)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور کا ارشاد ہے۔ تین جگہ پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ جب ترازو راست کی جائے گی یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جائے کہ ترازو ہل رہی یا بھاری (دوسری) جب اعمال نامے ملیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھئے! یہاں تک کہ وہ جاڑے ان کے داہنے ہاتھ میں یا پشت کی طرف سے یا اُن کے قدم میں، اور (میسرا) اس وقت جب پل صراط کو جہنم پر لگایا جائے گا۔

یعنی باز پرس اور احتساب کے ان مرحلوں میں کوئی یا رکام آئے گا نہ رشتہ دار، کوئی وکیل، ایک نہ اور کوئی مددگار! میں جس کے سر پر پڑے گی وہی بھگئے گا۔ روئے گا تو کوئی آنسو پونچھے والا بھی کھائی نہیں دے گا، تڑپے گا تو کوئی بھی دلاسا نہیں دے گا۔

باقی رہی شفاعت! سو وہ بھی خدای فیصلہ کرے گا کہ اس کی کہاں گنجائش ہے اور کہاں نہیں؟ صَبَّكَ ذَا الْكَذِبِ كَيْفَ عِنْدَ الْإِلَهِ (پ۔ بقرہ) شفاعت کے معنی اصل میں مجرموں کی حمایت نہیں بلکہ ان کی بعض کوتاہیوں کے سلسلے میں قہرِ جہنم کے ساتھ ممکن معذرتوں کو تقبی کر کے پیش کرنا ہے کہ الہی! ان پر سہر دانہ غور فرما کہ ان سے درگزر فرما۔ اس پر حق تعالیٰ ان کو تبارک کے کہ وہ اس قابل ہیں یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلہ وہ بھی آئے گا جب باپ کے سلسلے میں حضرت خلیل اللہ کی اور بعض نام نہا مسلمانوں کے باپے میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَتَوَدَّكَ الْحَقُّوُقُ إِلَىٰ أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّىٰ يَقَادَ لِشَاةِ الْجَلْبَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرَنَاءِ ﴿۱۱۴﴾
 فرمایا قیامت میں حقداروں کے حقوق بہر حال ادا کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بے سینگ بکری کا
 سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک بے زبان اور ایک بے خبر جانور سے متعلق بھی کچھ حقوق
 ہونگے تو وہ لڑیگاں نہیں جائیں گے، ایسی بات نہیں ہوگی کہ جس کا پس چلے وہ جو چاہے کرے۔ اس سے
 کوئی باز پرس بھی نہ کر سکے، اگر ایک مظلوم اور بے بس فریاد بھی کرے تو اس کی بھی تسنی جائے، دیکھئے ابکری
 ایک بے زبان، بے ہوش اور غیر مکلف جانور ہے لیکن اگر اس کے دوش پر کسی کے حقوق کا بوجھ ہے تو اسے
 بھی یونہی نہیں جانے دیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں ایک حد تک "احساس ذات" تو ہے ہی۔ اور اس کے لئے
 سب کچھ کر ڈرنے کا داعیہ بھی، بس اسی حد تک اس سے انتقام بھی لیا جاسکے گا۔ جیسے دنیا میں ہوتا ہے
 کہ اگر وہ زچہ کرے کسی کے کھیت میں جا پڑے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ وہ تو غیر مکلف ہے۔ اسے کچھ نہ کہو!
 الغرض آخرت ایک ایسا یوم حساب ہے کہ جہاں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور ہر ایک شخص اپنی آنکھوں
 سے رانی برابر نیکی اور بدی کے اثرات کا مشاہدہ کر سکے گا۔ اس لئے بے ہوشی سے کچھ نہیں ہوگا اور نہ یہ
 غفلت والی کوئی وجہ معذرت تصور کی جائے گی۔ الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر مرحوم نے اپنے
 ایک مضمون میں کیا خوب کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"گذشتہ بیس برس سے میں قرآن کا خاص مطالعہ کرتا ہوں۔ اور اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ
 کہ اس کی تعلیمات کے متعلق میرا کیا خیال ہے تو میں کہوں گا۔

"زندگی کے تمام اعمال میں ایمان اور عمل صالح پر اصرار، قرآن انسان کو اس کے خالق کا واسطہ ہے
 کہ اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات و اعمال کا بیدار حشیم دربان بن جائے اور اپنے کو تزکیہ و روح
 میں مصروف رکھے، جہاد کرے کیونکہ اس کی ہر جنبش اس کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے نیچر سے خیر اور شر سے شر
 پیدا ہوتا ہے۔ اور خیر و شر اپنی جہاں آپ ہے" (رہنمائے قرآن ترجمہ)

۳۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
 قَالَ: اَتَذَرُونَّكَ اَلْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْہَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ الْمَفْلِسُ
 مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاتِیْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ بِصَلٰۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ وَیَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَدْ دَنٰ
 هَذَا وَاَکَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فِیْ حَیْطِیْ هَذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَهَذَا
 مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ خَفِیْتُ حَسَنَاتِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ حَطَایَا ہُمْ فَطُرِحَتْ
 عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم)

اصل قلّاش اور زما وار حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔
 کیا جانتے ہو مفلس (ناوار) کسے کہتے ہیں؟ ہم نے کہا۔ ہم تو اسے مفلس کہتے ہیں جس کی جیب خالی ہو۔
 فرمایا (نہیں، یہ نہیں اصل میں) میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر
 آئے گا اور ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر ہتکت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا۔
 کسی کو قتل کیا ہوگا اور کسی کو مار پٹیا ہوگا۔ (غرض اس کے ذمے کچھ زیادتیاں ہوں گی) اب اسکی نیکیاں
 لے کر حقداروں میں بانٹ دی جائیں گی۔ اگر نیکیاں ختم ہو گئیں اور واجبات اس کے ذمے ابھی باقی رہے
 تو حقداروں کے گناہ بقدر ضرورت لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اسے لا کر جہنم میں چلتا کیا جائیگا؟
 اس افساب کا دائرہ کتنا وسیع ہوگا اور کس قدر مہم گیر ہوگا، زبان اس کے بیان سے قاصر ہے
 اس کی دہشت سے آنکھیں پھٹی پھٹی ہوں گی۔ دل فگار اور احساسات زخمی ہوئے گئے، اپنے رفیق نہ
 جائے، مانق کا سماں طاری ہوگا۔ کوئی چاہے کہ قدیر دے کر چھوٹ جائے، تو اس کی بھی کوئی ممکن
 صورت نہ رہے گی۔ کیونکہ فدیہ نام کی کوئی چیز بھی اس کے قبضے میں نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ وہ ذات کریم
 خود ہی مائل بہ کرم ہو جائے۔ اس لئے فرمایا کہ اس کی کچھ فکر ہے تو ابھی سے اس کی کچھ فکر کر لیجئے؛ کل
 اس کا وقت نہیں ہوگا۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ
 مِنْ عَرَضٍ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ۔

(بخاری عن ابوہریرہ)

فرمایا جس کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی حق ہے اس کا تعلق اس کے وقار سے ہو یا کسی اور
 شے سے، تو اسے آج اس سے معاف کر لینا چاہیے۔ اس (دن) سے پہلے جب دینار ہو گئے نہ درہم،
 (نہ پائی نہ پیسہ)

۵۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ لَا تَرْوُلُوا بَيْنَ أَدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عَمٍّ
 فِيمَا آفَأَهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ قَالِهِ مِنْ آيَةٍ اكْتَسَبَهَا وَفِيمَا آفَقَهُ
 وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَهُ (مشکوٰۃ)

جب تک پانچ چیزوں کے سلسلے میں باز پرس کس نہ ہوگی اس وقت تک ابن آدم کو اپنی جگہ سے
 ہٹے نہیں دیا جائے گا (۱) اس کی عمر کی بابت کہ کہاں کھوئی (۲) اور اس کی جوانی کی بابت کہ کن باتوں

میں گزائی (۳) مال و دولت کی بابت کہ کہاں سے کمایا (۴) اور پھر اسے کہاں خرچ کیا (۵) اور یہ کہ جتنا علم پایا اس پر کتنا عمل کیا؟

الغرض زندگی کے جتنے بھی مختلف احوال و ظروف ہیں سب کی بابت باز پرس ہوگی اور وہ اقتدار ہو یا کاروبار، گھر بار ہو یا آر پار، راتیں ہوں یا دن، صحت ہو یا بیماری، خوشحالی ہو یا تنگدستی، اپنوں کا کوئی معاملہ ہو یا غیروں کا، دوستی کی کوئی بات ہو یا دشمنی کی، انسانوں کے متعلق ہو یا حیوانوں سے۔ بہر حال سب سے متعلق حساب کتاب ہوگا۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اس سے کسی کے لئے کوئی آشنا نہ ہوگا نیک کا نہ بد کا، اب آپ اپنا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے، اس باز پرس کے آپ کس قدر متحمل ہیں۔ اور جب خدائی چیکنگ شروع ہوئی تو کیا بنے گا؟

بدن بے حس، نظر معدوم، محروم تکلم ہے

بنائے دشمنی دنیا میں اندازِ تحکم ہے ہر اک جھگڑے کا حل دوست تفہیم و تفہیم ہے
اہل آئے ہی کیا تجھ کو تو اے رستم دنیا بدن بے حس، نظر معدوم، محروم تکلم ہے
ترے حسنِ توجہ سے یہ صحنِ گلشنِ عالم تر تم ہی تر تم ہے تبسم ہی تبسم ہے
مسافر کس طرح اے نا خدا منزل پہ پہنچے گا فلسفہ ہے سفینہ، موجِ دریا میں تلاطم ہے
تسے باغی بھی دنیا میں تجھی سے رزق پائے ہیں یہ تیرا ہی تحمل ہے یہ تیرا ہی تر تم ہے
صلہ دیتا ہے خود اللہ حبیب کا دونوں عالم میں فقط قرآنِ سنت کی تعلیم و تعلم ہے
تو اپنا گوہر مقصود ہرگز پانہیں سکتا رہِ عشرت میں جب تیری متاعِ زندگی گم ہے
اے غافلِ خدا کا ذکر تو بھی صحیح کر دے ہر اک طائرِ خدا کی حمد میں محو تر تم ہے

وہی ہے کامیاب زندگی دنیا میں اے عاجز
مصیبت میں ہمیشہ جن کے ہونٹوں پر تبسم ہے
(عبدالرحمن عاجز)

کسی فرمانروایا عظیم لیڈر کی وفات پر

سرکاری طور پر سوگ منانا شرعاً ناجائز ہے

ہم اگرچہ انگریز کی غلامی کی زنجیر سے جہانی طور پر ربع صدی سے آزاد عرصہ سے نجات حاصل کر چکے ہیں تاہم ہماری اذیان ابھی تک اس کی تقلید میں گرفتار ہیں۔ ہماری اربابِ حل و عقد اور سنہ اقتدار پر متمکن حضرات تو ہر معاملہ میں برطانوی سامراج کے قوانین، رسم و رواج اور دیگر معاملات میں ان کی تقلید اور ان کے وضع کردہ قوانین کی روشنی میں اپنی روزمرہ کی زندگی کے معمولات کو اپنانا اپنے لئے موجبِ صداقت سمجھتے ہیں اور کامیابی کا باعث تصور کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف طرزِ حکومت میں اپنی ذلت اور ناکامی محسوس کرتے ہیں۔

ان رسومات اور رواجات میں سے ایک رسم سوگ ہے یعنی کسی کی وفات پر رنج و غم اور حزن و ملال کا اظہار کرنا۔ تقسیمی سے ہمارے اسلامی ملک پاکستان میں بھی غیر اسلامی یورپین ممالک کی طرح یہ رواج پڑا ہوا ہے کہ جب ملک کا فرمانروا یا کوئی عظیم لیڈر داعی اجل کو لبیک کہتا ہے تو گورنمنٹ کے تمام دفاتر اور تعلیمی ادارے فوراً بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ملک کا پرچم سرنگوں کیا جاتا ہے بعض لیڈروں اور مناصب اعلیٰ پر فائز حکمرانوں کی خاطر کوئی کمی دن تک ملک کا پرچم سرنگوں رہتا ہے۔ اور سرکاری دفاتر میں تعطیلات کی جاتی ہیں اور بعض لیڈروں کے لئے تو ہر سال جب ان کی تاریخ وفات کا دن آتا ہے تو اس روز سرکاری طور پر تعطیل کی جاتی ہے اور اظہارِ غم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسینؑ کی شہادت کا واقعہ ۱۰۱۹ اور محرم کی تعطیل کر کے ماتم اور اظہارِ غم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بانیِ پاکستان کی تاریخ وفات پر ہر سال سرکاری طور پر تعطیل عام کر کے سوگ اور غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی نکتہ نگاہ سے حکومت کا یہ فعل مستحسن ہے یا غیر پسندیدہ ہے؟ پاکستان کی عمر تیس سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ لیکن افسوس! اب تک ہمارے کسی حکمران نے یا کسی صدارت کے عہدہ پر فائز ہونے والے شخص نے اس طرف توجہ مبذول نہیں کی۔ کہ کیا کسی لیڈر یا قائد کی موت پر سوگ منانے اور رنج و غم کا اظہار کرنے کی خاطر ملک کا پرچم سرنگوں کرنا اور سرکاری دفاتر اور تعلیمی

اداروں میں تعطیل کرنا اسلام کی نگاہ میں جائز ہے؟ اسی طرح علمائے کلام نے دیگر بے شمار موضوعات پر تقریروں اور تحریروں کے انبار لگا دیئے اور اسلام کی نشر و اشاعت کی خاطر اپنی دکش نگارشات اور مشعلہ قواعد خطابات سے قوم کو لاتعداد اور ان گنت برائیوں سے روکنے اور ہٹانے میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں کیا۔ اسی طرح جب کسی صدر یا وزیر اعظم نے اپنی لپ تانیاں اپنا شروع کر دیں اور قوم کو پرکھ کے برابر بھی تصور نہ کیا۔ اور اسلام سے اخراجات کے لئے نئی نئی تدابیر سوچنے لگا اور مسلمان قوم کو اسلامی مساوات کے خوش کن نعرے سے مسحور کرنے لگا تو علمائے حق مردوں پر کھن باندھ کر مردانہ وار میدان جہاد میں کود پڑے اور اس وقت تک ان کی غیرت ایمانی کا خون جوش مارتا رہا۔ جب تک یہ اسلام کے ٹھگ اور دغا باز کرسی اقتدار سے گھسیٹ کر جیل کی تنگ و تاریک کوشخری میں منتقل نہیں کر دیئے گئے۔

مگر آج تک کسی عالم دین اور کسی نوجوان مبلغ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوا کہ اس اسلامی ملک میں بڑے بڑے لیڈروں اور حکام کی وفات پر سرکاری طور پر وفات اور تعلیمی اداروں میں تعطیل اور ملک کا پرچم سرنگوں کرنے کی رسم کب سے پاکستان منصفہ شہود پر آیا ہے؟ اس وقت سے تا ہنوز جاری ہے۔ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا حضرت حمزہ کی شہادت ایک معمولی سانحہ تھا؟ کیا بیرونو میں ستر حفاظ کی شہادت کا دلفگار واقعہ قابل تعزیت نہ تھا؟ کیا آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات پر صحابہ کرامؓ نے سرکاری طور پر سوگ منایا تھا؟ کیا سید الانبیاء کی رحلت سے بڑھ کر کوئی المیہ اور روح فرسا واقعہ ہو سکتا ہے؟ کیا اس المیہ پر صحابہ کرامؓ نے سرکاری کاروبار معطل کر دیئے تھے؟ میں سمجھتا ہوں کہ عبد العزیز بن عبداللہ بن باز کی خدمت اقدس میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

جنہوں نے اس سلسلہ کو نوکِ قلم پر لا کر تمام مسلمان فرمانرواؤں اور حکام کو اس پر غور و فکر کرنے اور اس غیر اسلامی رسم کو ترک کرنے کی تلقین کی ہے۔ اور ملک کا پرچم سرنگوں کرنے اور سرکاری دفاتر کو اظہارِ غم کے طور پر بند کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ یاد رہے آپ سعودی عرب میں نہایت ممتاز اور اعلیٰ شخصیت تصور کئے جاتے ہیں۔ آپ بیک وقت ادارہ بحوثِ علمیہ دارالافتاء، اور ادارہ دعوت و ارشاد کے رئیس عام اور نگرانِ اعلیٰ ہیں۔ آپ کا یہ فتویٰ "احیاء العالم الاسلامی" عدد نمبر ۵۶۱ بت ۱ صفر ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوا ہے۔ اردو دان مسلمانوں کی بھلائی اور حکمرانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر اس فتویٰ کو اردو میں منتقل کیا جاتا ہے۔ و ذکرہا ان الذکر ای تنفع المؤمنین۔

سید الروحان الواجب رحمة ربہ والغفران!

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن اهتدى

بهدا ۵ -

اصابعہ وجودہ درمیں اکثر اسلامی ممالک میں یہ رسم پڑ چکی ہے کہ جب کوئی بادشاہ یا کوئی بڑا لیڈر فوت ہو جاتا ہے تو اس کا سوگ منانے کے سلسلے میں حکومت تین دن کے لئے یا اس سے کم و بیش ایام کے لئے سرکاری طور پر تمام دفاتر بند کرنے کا اعلان کرتی ہے۔ اور یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ ملک کا پرچم اتنے ایام تک سرنگوں رہے گا۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام شریعت محمدی کے خلاف ہے۔ اس میں شکیانہ اسلام کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپؐ نے سوگ منانے سے منع فرمایا۔ مای البتہ ہوی اپنے خاوند کا چار ماہ دس ایام تک سوگ منائے۔ اسی طرح عورت کو اپنے خویش و اقارب کی وفات پر زیادہ سے زیادہ تین ایام تک سوگ منانے کی اجازت فرمائی۔ اس کے ماسوا شریعتاً سب کچھ ممنوع ہے (یعنی سرکاری فخر اور تعلیمی ادارے بند کرنا اور ملک کا پرچم سرنگوں کرنا وغیرہ سب کچھ ممنوع ہے) اور شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ملتا جس کی رو سے کسی بادشاہ یا کسی لیڈر کی موت پر مذکورہ بالا اقسام کا سوگ منانا جائز ہو۔ حالانکہ آپؐ کی مبارک زندگی میں آپؐ کا فرزند ارجمند حضرت ابراہیمؑ اور آپؐ کے تین صاحبزادے اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوئیں۔ ان کے علاوہ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام نے بابرکت حیات میں ہی دنیا سے انتقال کیا۔ اور آپؐ کے عہدِ سعادت میں جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت بھنبرہ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کیا۔ آفاقے مدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو انشرف المخلوقات اور افضل الانبیاء اور اولاد آدمؑ میں سب کے سردار تھے۔ اس عالم کون و مکان سے رحلت فرما گئے۔ آپؐ کی رحلت کے صدمے اور ایسے کے سامنے تمام المناک واقعات ہیچ تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے (ہمارے زمانے کا) سوگ نہیں منایا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ دینلے سدھار گئے لیکن کسی نے سوگ نہیں منایا۔ پھر حضرت عمرؓ شہید کئے گئے۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی شہادت پائی۔ یہ لوگ انبیاء اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد سب سے افضل تھے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوئے۔ لیکن تابعین میں سے

لے صحیح بخاری، صحیح مسلم، نیل الاوطار، فتح الباری، جنت اللہ الباقیہ وغیرہ

کسی نے ان پر (منکوحہ بالا اقسام) کا سوگ نہیں منایا۔ اسی طرح تابعین میں سے اسلام اور ہدایت کے ائمہ اور علماء اور ان کے بعد آنے والے اہل علم لوگ جیسے سعید بن مسیب، علی بن حسین، زین العابدین اور ان کے صاحبزادے محمد بن علی، عمر بن عبد العزیز، زہری، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک بن انس، افزائی، ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ رحمہم اللہ جمعین۔ پر مسلمانوں نے ایسا سوگ نہیں منایا۔ اگر یہ کام کار خیر ہوتا تو سلف صالحین اس کام کو سب سے پہلے کرتے اور خیر اور بھلائی سلف صالحین کی تابعداری میں ہے اور ان کی مخالفت میں سوائے برائی کے کچھ نہیں۔

جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کی مؤید ہے۔ رہا سلف صالحین نے ایسا سوگ نہیں کیا۔ ہاں البتہ بیوی نے (شریعت کے حکم کے مطابق) اپنے خاندن پر چار ماہ دس دن تک سوگ کیا، یہی بات درست اور حق ہے۔ اور آجکل جو لوگ بادشاہوں اور بیڈروں پر سوگ مناتے ہیں (یعنی سرکاری کاروبار معطل کیا جانا اور ملک کا پرچم منگوں کیا جاتا ہے وغیرہ) یہ تمام امور (شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔ مزید برآں اس میں کئی قسم کی قباحتیں اور خرابیاں ہیں (یعنی سرکاری دفاتر کی بندش سے حکومت کے کئی امور شش نہ تکمیل رہ جاتے ہیں جس سے حکومت کو مالی خسارہ ہوتا اور بچوں کا تعلیمی نقصان ہوتا ہے) اور کئی مفاد اور مصلحتوں سے محرومی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اٹل دشمنان اسلام (یہود اور نصاریٰ وغیرہ) کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے قائدین اور بڑے بڑے حکام کی یہ ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کی رسم بد کو ترک کریں اور سلف صالحین کے طریقہ کو اپنائیں۔ اور اہل علم کے ذمے یہ واجب ہے کہ لوگوں کو اس غلطی سے متنبہ کریں اور خبردار کریں، کیونکہ علمائے کرام کے ذمے نصیحت کرنا واجب ہے۔ نیز نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے اپنی کتاب کے لئے، اپنے رسولوں کے لئے اور مسلمانوں کے اماموں کی خاطر نصیحت اور خبر خواہی کو لازم قرار دیا ہے اس لئے مجھے یہ مختصر تحریر قلمبند کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

میں بارگاہ ایزدی میں التجا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے قائدین اور عوام ان اس کو ہر ایسے کام کرنے کی توفیق بخشے جو اس کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہو اور احکام شریعت پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور اس کی نفاق و رذی سے بچنے کی توفیق سے نوازے۔ ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے اور ہمارے تمام اعمال درست فرمائے۔ جو دعائیں سننے والا اور جلد قبول کرے آمین اللہ علیہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ واصحابہ۔

طاہر ان اللہ خاص صاحب

مُعَلِّمِ انسانیّت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَرَأَىٰ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“
(القرآن الحکیم ۳: ۱۶۳)

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ”حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں (بلکہ جملہ انسانوں) پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغامبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں، اور انہیں کتاب کا علم دیتے ہیں اور دانائی و حکمت سکھاتے ہیں۔

نسل انسانی پر خالق کائنات کا یہ عظیم احسان و کرم رہا ہے کہ وہ اس کی ہدایت و رہنمائی اور تعلیم و ارشاد کے لئے وقتاً فوقتاً رسول اور نبی بھیجتا رہا ہے۔ انسانوں کی کوئی بستی اور کوئی زمانہ اس نبوی ہدایت سے محروم نہیں رہا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ“

(۳۶: ۱۷)

”اور تحقیق ہم نے ہر امت میں پیغامبر بھیجے کہ لادہ لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور مجبورات باطل سے الگ رہیں“ اور یہ کہ:

”وَرَأَىٰ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“

(۲۳: ۳۵)

”اور کوئی ایسی امت نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔“

انسان راہِ راست سے ہٹتا رہا اور اس کی ہدایت کا سامان بھی ہم پہنچتا رہا۔ وہ ذہنی - شعوری اور تمدنی طور پر بھول بھول ترقی کرتا رہا، اس کے لئے ہدایت و تعلیم و تبلیغ میں بھی فرق آتا رہا جسے کہ

انحراف، ظلم و زیادتی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے پورے عالم میں بے راہ روی اور فساد کا دور دورہ تھا۔ تاریخی حقائق بھی اس امر کی پورے طور پر تصدیق کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ رسول پاک کی آمد کے وقت نہ صرف پورے عرب میں بلکہ پورے عالم میں مذہبی، اخلاقی و معاشرتی، معاشی و سیاسی اور تعلیمی و علمی بے راہ روی کا بازار گرم تھا۔ کہیں کہیں روشنی کی کوئی کرن نظر آتی تھی لیکن وہ بھی اتنی مدہم کہ اس سے رہنمائی کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ ایسے میں رحمۃ للعالمینؐ نے ساکنان عالم کو وہ پیغام اور وہ تعلیم دی جس پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ الہیات و عقائد میں، عبادات و معاملات میں، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی میں اخلاقیات میں، معاشیات و سیاسیات میں، انسان کی مادی، روحانی، دنیوی و آخروی زندگی کے تصور کے بارے میں اسی ذات بابرکات کی بدولت صحیح اصولی رہنمائی اور تعلیم حاصل ہوئی، اور زندگی کے ہر دائرہ میں انتہائی مفید صالح اور خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی۔

انسانیت کے اس عظیم محسن اور لاثانی معلم نے نسل انسانی کو جو کچھ دیا اور جو کچھ سکھلایا اس کے بعض نمایاں پہلو یہ ہیں۔

● — خدا تھے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا تصور اور توحید باری تعالیٰ و صفات خداوندی کا واضح بیان۔

● — تصور رسالت۔ تمام انبیائے سابقہ کی رسالت پر ایمان بالعدم اور ان کا احترام اور انھیں رسالت پر خصوصی طور پر ایمان اور ان کی کامل اطاعت و فرمانبرداری۔

● — نسل انسانی کی وحدت و مساوات

رنگ، نسل، خاندان، زبان اور علاقے و وطن کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے اور تمام انسانوں میں ہمدردی و مساوات کے جذبات ابھارتے ہوئے انھوں نے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا، اور پھر اسی کے مطابق عمل کر کے دکھایا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً“ (۱:۴)

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا تقوٰے اختیار کئے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان سے بہت سے مرد و عورت پھیلانے“

اور یہ کہ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لَتَعَارَفُنَا بِرَأْفَاتِ آكْرَمَكُمُ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْتَّكْوَمُ۔ (۱۳: ۲۹)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (وگرنہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

شرف انسانیت کی تعلیم:

شرف انسانی کی تعلیم دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین صورت پر پیدا کیا ہے، اسے عزت بخشی ہے۔ اسے نیابت و خلافت کا خلعت پہنایا ہے۔ وہ مسجد ملائک ہے۔ اور کائنات کی ہر ایک چیز اس کی خدمت میں سرگرم عمل ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے منصب کو پہچان کر اس کے شایان شان طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اصلاح اخلاق:

انسانی معاشرے کے استحکام اور امن و بقا کے لیے نیز افراد نسل انسانی کی اصلاح، راست روی اور ترقی کے لیے اخلاقیات کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی ذی شعور انسان سے پوشیدہ نہیں ہیں وجہ ہے کہ تمام نبیوں کی بنیادی تعلیم جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنا رہی ہے وہاں لوگوں کی اخلاقی اصلاح بھی رہی ہے، اور یہ نفوس قدسیہ خود عمدہ اخلاق کے بہترین عمل نمونے رہے ہیں کسی معاشرے کے فساد کی سب سے بڑی وجہ اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دینا ہوتی ہے اور غالباً دور جدید کی سب سے بڑی بیماری یہی ہے۔ اسی بیماری کا علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اس ماہر طبیب انسانیت نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اس کو قرار دیا تھا اور ارشاد فرمایا بعثت لا تتم مکارم الاخلاق (میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کریمانہ کو ان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دوں) خود آپ کے ذاتی اخلاق و کردار کی یہ حالت تھی کہ مالک حقیقی نے قرآن حکیم میں اس کی تعریف فرماتے ہوئے کہا۔

”وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خَلِيْقٌ عَظِيْمٌ۔“ (۲: ۶۸)

”بلاشبہ آپ عظیم الشان اخلاق کے مہمان کے حامل ہیں۔“

آپ نے جن عظیم اخلاقی خوبیوں کو اپنانے کی تعلیم دی ان میں سے بعض یہ ہیں :-

امانت و دیانت، سادگی، منصف مزاجی، رحمت و عفو و درگزر، مستقل مزاجی، عزیمت، تحمل و

بردباری، ایشار و قربانی، پسمانی، گھر والوں سے عمدہ سلوک، سخاوت، شجاعت، انکار و تواضع، عہد کی پابندی، باہمی معاملات میں عہد کی اور یتامی، یتیم گاہ، ناداروں اور محتاجوں کی امداد اور ان سے ہمدردی، اور ساتھ ہی رذائل اخلاق سے بچنے کی تلقین کی۔

عدل و انصاف کی تعلیم

سرور کائنات نے عدل و انصاف کا وہ بلند ترین تصور انسانیت کو دیا جس سے ہر تصور انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ آپ نے دنیا کو خدائے ذوالجلال کا یہ پیغام دیا کہ انصاف ہر قسم کی جانبداری سے پاک ہونا چاہیے خواہ فیصلے کی زد منصف کے اپنے عزیز، والدین، یا اپنی ہی جماعت بلکہ اپنے ہی اوپر کیوں نہ پڑتی ہو۔ اور یہ کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرنا چاہیے۔ قولہ تعالیٰ:
 "وَلَا يَجْزِيكَ سُنَانٌ تَوْمٍ عَلَىٰ آلَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" (۸:۵۸)
 "اور کسی گروہ کی عداوت (بھی) تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

آنحضور نے انصاف پر عمل کا ثبوت یہ کہہ کر دیا کہ "اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ لئے جاتے۔"

علم و حکمت کے حصول کی تعلیم:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و حکمت کے حصول کو فریضہ کا درجہ دیا۔ قرآن حکیم میں بابِ اہل علم اور اربابِ فہم و ذکا کی برتری کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہیں علم کی فوقیت و برتری کو۔
 "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (۹:۳۹)
 "کیا علم والے اور جو علم نہیں رکھتے کہیں برابر ہوتے ہیں؟"
 کہہ کر واضح کیا گیا ہے اور کہیں۔

"يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" (۱۱:۵۸)

"اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا درجے بلند کرے گا۔"

فرما کر اہل علم کے درجات کی بلندی کا ذکر کیا گیا ہے۔ خود رسول اکرمؐ کی حیثیت بطور معلم ان کو پوری طرح سے اجاگر کر کے اسے نسلِ انسانی کے لئے خدا کا عظیم احسان گردانا ہے (جیسے کہ صفحہ ۱۲۱ کے آغاز میں بیان ہوا)۔

اسی ضمن میں انسان کو عقل استعمال کرنے، مدبر سے کام لینے اور کائنات میں غور و فکر کرنے کی بار

بارتقین کی گئی ہے۔

آنحضورؐ نے ”العلماء وصرة الانبياء“ (علماء انبیاء کے وارث ہیں)۔ اور ”فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر النجوم“ (یہ کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے پورے مہینے کی رات کے چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر) نیز یہ بتا کر کہ:

”الْعِلْمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةٌ الْحَكِيمُ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا“ (۱)

”کلمہ حکمت دانائی گم شدہ چیز ہے یہ اُسے جہاں سے بھی ملے اُسے اس کے حصول کا زیادہ حق ہے۔“ مسلمانوں نیز تمام انسانوں کو علم و حکمت کے حصول کا واضح تصور دیا۔ یہ بات کسی ذی ہوش و ذی فہم انسان سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے جو نظام تعلیم و تربیت اور تصور علم انسانیت کو دیا وہ ہر لحاظ سے کامل ہے۔

روداداری۔ قیام امن۔ عمل صالح اور منزلی زندگی کی استواری کی تعلیمات بھی سرور کائناتؐ کی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

معاشرے کی ترقی و استحکام کے لئے ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ اس کے افراد کی گھر و زندگی پر سکون، باسلیقہ اور منظم ہو۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے آنحضرتؐ نے انسانوں کو منزلی زندگی کو پر سکون اور منظم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی، اور ارشادات و تعلیمات خداوندی کے مطابق مرد و عورت اور بچوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت کی۔ نکاح۔ جہر، نان و نفقہ، وراثت، طلاق اور دیگر متعلقہ مسائل پر نہ صرف روشنی ڈالی بلکہ ان انتہائی صالح و مفید اصولوں کے مطابق ایک معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا جس میں عورت و مرد کا باہمی رشتہ سکون، مودت و رحمت کا رشتہ تھا۔ جس میں عورت بحیثیت ماں، بہن، بیوی یا بیٹی ہر حیثیت میں قابل احترام تھی۔ جہاں والدین، شفقت و رحمت کا نمونہ تھے اور اولاد ادب و فرمانبرداری کی تصویر خود آنحضرتؐ کا طرز عمل یہ تھا ”خیرکم خیرکم لاهلہ وانا خیرکم لاهلہ“ (تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے بہترین ہے اور میں تم سب میں سے اپنے اہل و عیال کے لئے بہترین ہوں)۔

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب العلم

(۲) بخاری، کتاب العلم

(۳) ترمذی، کتاب العلم

(۴) ابن ماجہ، کتاب النکاح

اسلامی تعزیرات — نفاذ سے گریز کیوں؟

کچھ بچے سیاست دانوں اور کچھ مذہبی رہنما بھی اپنے بیانات میں اس بات کا برملا اظہار کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ فی الحال اسلامی تعزیرات کو نافذ نہ کیا جائے۔ عبوری حکومت نے جب کوڑوں کی سزا کا آغاز کیا تو ملک میں ایک شور برپا ہو گیا۔ ایک دہائی اور پچارہنٹی غریب مارے گئے؛ سرمایہ دار بچ گئے۔ جب تک معاشرے کے حالات سازگار نہیں ہو جاتے، ملک سے غربت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس وقت ایک اسلامی سزائوں کا نفاذ نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی ایسی ہی تعزیرات میں وہی سیاست دان اس بات کو بھی دہرتے چلے جاتے ہیں کہ ”نظام مصطفیٰ“ نافذ کرو۔ اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ — یہ سب مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا نعرہ ہے۔ مگر جب اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی صورت سامنے آتی ہے۔ تو طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اسے سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ اسلامی نظام کے کئی نفاذ میں کچھ امور وضاحت طلب ہو سکتے ہیں۔ مگر فی الفور اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا۔ بلکہ معاشرے کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسلامی تعزیرات کو مارشل لا کے ایک ضابطہ کے تحت نافذ کر دیا جائے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی نرمی (مدافعت) نہ اختیار کی جائے۔

غربت ایک بہانہ ہے یا حقیقت؟ یہ کہنا کہ ہمارے معاشرے کی حالت ٹھیک نہیں۔ یا غربت کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا، اس لئے کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہیے۔ محض نظر ہے۔ یہ ایک یقینی بات ہے کہ پاکستان میں کوئی آدمی بھوک سے دم نہیں توڑتا اور نہ انتہائی غربت کے ماتحت مجبور ہو کر چوری کرتا ہے۔ ہمارا معاشرہ عادی مجرموں، پیشہ و چوروں اور ڈاکوؤں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہر چوری کے کیس کی مکمل تحقیق ہو۔ جہاں کہیں ایسا ثبوت مل جائے کہ کسی شخص نے فاقہ کشی سے

لے اگر واقعی یہ مقول معذرت ہے تو دوسری سزائیں دی جا رہی ہیں اس کے لئے کیا وجہ جواز رہ جائیگی؟ (نبیوی)

مجبور ہو کر کھانے پینے کا کچھ سامان چرایا ہے۔ اور واقعی اس کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ یا اس کے اہل و عیال تین چار دن سے فاقہ کشی کر رہے تھے۔ تو وہ چوری کے علاوہ کبھی کیا سکتا ہے۔ تو کوں کہتا ہے کہ اس آدمی کا ہاتھ کاٹ دو۔ حضرت عمرؓ کی مثال تاریخ میں موجود ہے کہ ایسے ہی ایک موقع پر آپؓ نے چوری کے جرم میں ہاتھ نہیں کاٹا۔ بلکہ اس چور کے پڑوس کی مذمت کی کہ اس نے حتی ہمسائیگی ادا نہیں کیا۔ اور آنحضرتؐ کے اس فرمان پر عمل نہیں کیا۔

لیس المومن الذی یشبع وجارہ الی جانبہ جائع۔

(وہ ہرگز مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ اور اس کا ہمسایہ اس کے پیٹ میں بھوکا سوتا ہے)

فاقہ کش یا غریب اور مفلس عوام بھوک کو کبھی نہیں لٹتے۔ یہاں دن دہاڑے بنک لٹ لئے جاتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی دوکانیں رات کو محض اس لئے نہیں توڑی جاتی ہیں کہ وہ لیٹرے غریب، تلاش اور فاقہ کش ہیں۔ بلکہ یہ پینہ و رچوروں کے کڑوت ہیں۔ اور ان کے سر پرست بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیر دار ہیں۔ کہیں پولیس خود، جو کہ شہریوں کے جان و مال کی محافظ ہے اس میں ملوث ہوتی ہے۔ دیہات میں خصوصاً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں وڈیروں اور جاگیرداروں کی آپس میں ٹھنی رہتی ہے اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے مزارعین کو نوکروں چاکروں کو چوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ خود سرگروں کا رول ادا کرتے ہیں۔ منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ اس پاس کے دیہات کے لوگ ان کے دست نگر رہیں۔ اگر کبھی کسی غریب آدمی کو جائز شکایت بھی ہو تو وہ تھانے دار کے پاس اس زمیندار یا وڈیرے کی وساطت کے بغیر جلتے ہوئے بھی خوف کھاتا ہے۔ عرپٹ درجہ کرانی مقصود ہو۔ یا پرچہ درجہ کرنا ہو، جبت تک اس علاقہ کا چودھری اس کی سفارش نہیں کر دیتا تھانے دار صاحب اس کے کام آنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بعض علاقوں میں ابھی تک چوری کو بہادری کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ جبت تک خاندان کا نو جوان چوری کے ذریعے کسی کا بیل، گائے یا گھوڑا نہیں کھول لیتا۔ وہ جوان تصور نہیں کیا جاتا۔ اور جبت تک کسی روٹی کو اغوانہ کر لے منادی کے قابل نہیں گردانا جاتا۔ ان حالات میں بتائیے، کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں غربت کی بنا پر چوریاں ہوتی ہیں۔ لہذا یہاں ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر

۱۔ شریعت میں چور کا ہاتھ کاٹنا۔ شرعی شرائط کے ساتھ ہے۔ نظام تعزیرات نافذ کرنے کی صورت میں ایسے چور کا ہاتھ کاٹنا جائز ہی نہ ہوگا۔

معاشرے کو سنوارنے کی شرط پر ان تعزیرات کے نفاذ کو ہم آئندہ پر مالتے رہے تو یہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہزار سال میں بھی یہ معاشرہ درست نہ ہو سکے گا۔ کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاشرے میں ان تعزیرات کو نافذ نہ کیا تھا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات کا تقاضا یہ ہو سکتا تھا کہ ابھی معاشرہ پوری طرح تیار نہیں۔ غربت و افلاس کا خاتمہ پوری طرح نہیں ہو پایا۔ لوگوں کے دل و دماغ میں زمانہ جاہلیت کے جرائم کے نفوش اس قدر بچھے ہیں کہ ابھی ان کے لئے یہ سزائیں نافذ کرنا پیش از وقت ہو گا۔ بلکہ اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے معاشرے کی ان جہلی معذرتوں کی ان مضوں میں پروا نہیں کی۔ جن کا واسطہ یہ سیاست دان دے رہے ہیں۔ لیکن تھا کہ رسول کریمؐ فرمادیتے کہ میں تو صرف معاشرے کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ میرے بعد جب معاشرے کے حالات صحیح مضوں میں سازگار ہو جائیں گے تو ان منزلوں کو نافذ کر دیا جائے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے محض تیس سالوں میں دین کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اور ہم پاکستان میں ۳۰ سالوں سے معاشرے کو سنوارنے کا کام ہی کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ! بخاری و مسلم میں ہے کہ جب بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور ثبوت فراہم ہو گیا تو عورت نے اقرار جرم کر لیا۔ رسول اکرمؐ نے قرآن کا حکم نافذ کرتے ہوئے اس عورت کا یاں لافٹ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ بڑے بڑے صحابہ کرام اس سزا کے نفاذ پر متحیر تھے۔ آپس میں مشورے بھی ہوئے کہ رسول اکرمؐ سے درخواست کی جائے کہ عورت کا لافٹ نہ کاٹا جائے۔ کوئی جرم نہ کر دیا جائے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو آنحضرتؐ کے چھپتے تھے۔ ان کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ اس لئے کہ کسی دوسرے صحابی کو آنحضرتؐ کے پاس سفارش لے جانے کی جرات نہ تھی۔ حضرت اسامہؓ نے جو ان تھے۔ بڑے بوڑھوں کی باتوں میں آگئے۔ رسول اکرمؐ کے پاس حاضر ہو گئے۔ صحابہ کی آزد و پیش کی۔ رسول اکرمؐ نے جو نبی حضرت اسامہؓ کی زبان سے قرآن مجید کی مقرر کردہ

لے معاشرہ کی اصلاح خود انہی قوانین کے نفاذ پر ہے۔ تعزیرات اور حد و اللہ معطل رہیں اور انتظار کیا جائے کہ معاشرہ پہلے اس قابل ہو جائے۔ سیاست و افواج کی عجیب منطقی ہے۔ اصل بات وہی ہے جو فاضل مضنون نگار نے کہی ہے کہ یہ جرائم جھوک و سنگ جیسے اضطراب کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ اخلاقی ابتز کی کا نتیجہ ہیں۔

لے تاریخی طور پر جائزہ ہیں تو شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دور غربت کی بھی مثالی تھا ہو گا۔ لیکن غربت کی بنا پر کوئی چوری بھی اس دور کی ایک نادر صورت ہی ہے۔ جس کی بنا پر چور کو حد سرقہ نہ لگائی گئی تھی۔

حد کو بدل دینے کی بات سنی۔ چہرہ اور متغیر ہو گیا۔ غصہ کے عالم میں فرمایا۔ اے اسامہ! اَنَشَقَمُ فِي حَدِّ
مِنْ حَدِّ رَدِّ اللّٰهِ۔ وَ اَنِشْمُ اللّٰهُ كَوْنًا كَانَتْ فَا طَمَعَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا
”تم اللہ کی مقرر کردہ حد میں سفارش لے کر آئے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی
تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

گویا پیغمبر کو بھی سزا تبدیل کرنے کا حق نہیں۔ اگر حالات کی بات درست ہے تو رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم اس صنفِ نازک پر ضرور رحم فرماتے۔ یا قرآن میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کے نازل ہونے
کے بعد پہلا واقعہ سمجھ کر درگزر فرمادیتے۔ لیکن صبحِ اسلامی سپرٹ یہی ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے
عدالت کے دروازے کھٹکھا دیئے جائیں۔ مجرم اعترافِ جرم کرے۔ اس وقت کسی انسان صحتی کہ پیغمبر
وقت کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں کوئی ترمیم کر سکیں۔ یا اس میں اپنی
راسے سے کمی بیشی کر دے۔ قرآن حکیم و اشکاف الفاظ میں کہتا ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جِزَاءً كَيْفَمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ

(سورۃ مائدہ-۳۸)

(اور چور مرد ہو یا عورت! دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے اس جرم کی سزا

ہے۔ جو اس سے سرزد ہوا)

مجبوروں کا ہاتھ :- ہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر کوئی انسان حالات سے
مجبور ہو کر غربت و افلاس کے ہاتھوں یا فاقہ کشی سے تنگ آکر ایسی چھوٹی موٹی چوری کا مرتکب ہو جس
سے اس کا منشا ہی پیٹ کی دوزخ میں ایندھن ڈالنا ہو تو اسے ہرگز ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائیگی۔
جمع صاحبان خود چوری کے پس منظر اور پیش منظر سے واقف ہونے کے بعد ایسے آدمی کی سزائے عدالت
کر سکتے ہیں کہ اسلام اس قسم کے ظلم کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن جہاں عادی مجرموں، پیشہ ور چوروں
جبب کتروں اور رسہ گیروں کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ تو ان کے ہاتھ کاٹنے میں ذرہ بھر دیر نہیں کرتا
راج الوقت قانون کی بے بسی میں اکثر بھی ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی مجرم عین رنگے ہاتھوں پکڑا بھی جائے۔ تو
راج الوقت قانون کے تقاضے کچھ ایسے بے شکم ہیں کہ وہ اس مجرم کو پیشہ ور بنا کر چھوڑتے ہیں۔

ایف۔ آئی۔ آر درج ہوتی ہے۔ پولیس حکام تفتیش کے لئے ریباڈ لیتے ہیں۔ اگر مقدمہ عدالت کے
پاس چلا بھی جائے۔ تو دو تین سال محض جیل کی قید ہی اس انسان کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہوتی ہے
اگر اس کے بعد وہ بری بھی ہو جائے تو متوازن زندگی بسر کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔ دوسری

طرف اگر وہ واقعہ مجرم ہے تو پھر اس کو خواہ مخواہ دو تین سال عدالتوں کے چکر اور جیل کی چار دیواری میں رکھنا بھی ایک نا انصافی ہے انگریزی کا مشہور مقولہ ہے "JUSTICE DELAYED IS NO JUSTICE" (انصاف میں تاخیر انصاف کی نفی ہے) اس لحاظ سے صرف اسلامی سزا اور اسلامی طریق انصاف ہی وہ قاعدہ ہے کہ جس سے بے گناہ کو توبہ چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن ایک گنہگار یا مجرم جلد سے جلد اپنے کیفر کردار کو سنبھال جاتا ہے۔ یہ بات باقی انسانوں کے لئے بھی تازیانہ عبرت ثابت ہوتی ہے۔

رحم۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے۔ دو اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئے۔ ایک نے کہا۔ میرا بیٹا اس آدمی کی بیوی سے زنا میں ملوث ہو گیا ہے۔ جسے اس نے ۱۰۰ بکریاں اور ایک لونڈی ملے کر مارا کر دیا۔ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ بکریاں اور لونڈی تجھے ہی ملیں گی۔ تیرے بیٹے کے لئے تو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی۔ پھر آپ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو فرمایا۔ اے انیس جا کر اس کی بیوی سے پوچھو۔ اگر وہ جرم کا اعتراف کرے تو اسے رحم کر دے۔ بدو کی بیوی نے اعتراف کیا اور رحم کر دی گئی (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

ہم ان ہمدردوں سے پوچھتے ہیں کہ جو لوگ معاشرے کی اصلاح کا بہانہ بنا کر اسلامی تعزیرات کے نفاذ کو ملتوی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے دل اسلام کی حقانیت سے خالی تو نہیں ہیں۔ اسلام پورے کا پورا ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اگر آدھا حصہ آج نافذ کیا جائے اور آدھا آنے والے کل پر چھو دیا جائے تو اسلام کبھی اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں آدھا تیرا اور آدھا بیرونی بات نہیں ہے بلکہ

دورنگی چھوڑمیک رنگ ہو جا سلسر موم یا سنگ ہو جا

اللہ کا ارشاد ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

الشَّيْطَانِ"

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے قدموں کی

پیروی نہ کرو)

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلام کو بطور مکمل نظام حیات کے قبول کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہمیں بھی یہ وارننگ دی جائے:

أَفْتُمُونَنَّا بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ
مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُدْخِلُوكَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ

(بقرہ - ۸۴)

(کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لائے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس ایسے (منافق) کی سوائے اس کے اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ انہیں اس دنیا کی زندگی میں ذلیل اور رسوا کیا جائے۔ اور یوم آخرت میں ان کے لئے اس سے بھی سخت ترین عذاب ہوگا)

خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ اگر حقیقت حال کا جائزہ لیا جائے۔ تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مسلمان آج یہود اور نصاریٰ کے نقشب قدم پر (مذوالنقل) گامزن ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی حد تک تو ہم کتاب اللہ کو مان رہے ہیں مگر جہاں تک زکوٰۃ، عشرہ کے اجتماعی نظام کے تفاؤ کا تعلق ہے۔ اس کے لئے ہم آسانی سے تیار نہیں۔ سود کی لعنت بھی اس بہانے جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات متاثر ہوں گے چین میں اندرون چین سود کا بین دین سرے سے غائب ہے۔ ۸۰ کروڑ انسان نہ جانے کس طرح سود کے بغیر معاشرے میں زندہ ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ایں دال کر کے اس قبیح جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں جس نے معاشرے کا خون چوس لیا ہے۔ یہی حال شراب خانماں خراب کا ہے۔

اعلان تو کر دیا کہ اس ملک میں شراب حرام ہے مگر شراب کی سمگلنگ ابھی تک جاری ہے۔ نہ اعلان کرنے والے مخلص تھے اور نہ پینے والوں پر اس کا کوئی اثر ہوا۔ اس لئے کہ قانوناً جس چیز کو ممنوع کیا گیا۔ اس کے لئے تعزیر نافذ نہیں۔ اگر دو چار شرابیوں کو ۴۰ یا ۸۰ کوڑے سرعام لگا دیئے جائیں تو دودن میں شراب بند ہو سکتی ہے۔ اس کی ابتداء سب سے پہلے معزول وزیر اعظم سے ہونی چاہیئے جس مجلس عام میں ہزاروں انسانوں کے سامنے واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا تھا کہ ہاں تھوڑی سی پتیا ہوں (جلسہ عام لاہور) شراب پتیا ہوں۔ لوگوں کا خون نہیں پتیا۔ (فیصل آباد) بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا کہ شراب کے ساتھ بندوں کا خون بھی پیتے ہیں۔ زلزلہ زدگان اور سیلاب زدگان کے سلسلے کی اعانتیں اپنے ہی اکوٹ میں جمع کراتے ہیں۔ اور قومی خزانہ سے اپنی جماعت اور ذاتی ^{بھائی} لئے ذاتی مفاد بھی حاصل کرتے ہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے۔

کیا اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں؟ معاشرے کی اصلاح کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے۔ کہ اسلامی تعزیرات کو جلد سے جلد نافذ کیا جائے۔ زمانائے معاشرے میں اس قدر رواج پا گیا ہے کہ دن دہاڑے عصمت و عفت کے دامن آزار مہور ہے ہیں۔ مگر ظالم اور مجرم اس معاشرے میں زندہ رہتے پھرتے ہیں۔ وہ ضمانت پر رہا ہو کر مقدمات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بے گناہ مجرم اور مجرم باعزت شہری قرار پاتے ہیں۔ اسلامی سزائوں کے بارے میں ایک عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ سزائیں وحشت ناک ہیں ہم اس مہذب دور میں ان پر کیسے عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ مہذب دنیا کے رہنے والے آج خود اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کہ جرائم کا قلع قمع کیسے ہو؟ اگر یورپ کی روشن خیالی، تعلیم اور تہذیب و شائستگی سے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے ان سے پیار و محبت سے جرائم ختم ہو سکتے تو یورپ کے سارے ممالک میں کوئی مجرم نظر نہ آتا۔ اور کوئی جرم ان ممالک میں دیکھنے کو نہ ملتا۔ مگر یورپ میں جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ صرف تہذیب و شائستگی کا دامن تمام لینے سے جرائم کا قلع قمع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیشہ سخت تعزیرات ہی سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ہوگی۔

رسول اکرمؐ کے زمانہ میں ہی زنا کے جو بھی واقعات رونما ہوئے۔ جرم ثابت ہونے پر آنحضرتؐ نے قرآن کے فرمان کے مطابق زنا کی حد جاری کی (جو بنو حنیئہ کی شاخ ہے) کی عورت نے جب کھڑے ہو کر جرم کا اعتراف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ تو آپؐ نے بچے کی پیدائش تک عورت کو انتظار کرنے کا حکم دیا۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ندامت کی ماری پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے کہا جاؤ بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھڑانے کے بعد آنا۔ دودھ چھڑانے کے بعد حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھ پر حد جاری کی جائے۔ آپؐ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا۔ اور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ رجم سے وہ عورت فوت ہو گئی۔ تو آپؐ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ خالد بن ولیدؓ نے غامدیہ کا ذکر برائی سے کیا تو آپؐ نے فرمایا "مہلاً یا خالد! والذی نفسی بیدہ لقد ثابت توبۃ لوتابھا صاحب مکس لخص لہ" (خالد صبر کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس نے اسی توبہ کی ہے۔ کہ اگر ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا) (مسلم)

عمران بن حصینؓ کی روایت ہے۔ کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے غامدیہ کا جنازہ پڑھنے کی تیاری کی۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ آپؐ زانیہ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ!

لقد ثابت توبة لو قسمت بين اهل المدينة لو سعتهم - (مسلم)

(اس نے اسی توبہ کی کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہوگی)

دوسرا مشہور واقعہ ماعز بن مالک اسلمی کا ہے۔ ماعز قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا جس نے ہزال بن نعیم کے مال پرورش پائی تھی۔ یہاں وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے زنا کر بیٹھا۔ حضرت ہزال نے کہا۔ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہ کی خبر دے۔ شاید وہ تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اس نے جا کر مسجد نبوی میں اقرار گناہ کیا۔ اور کہا مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے منہ ایک طرف کر لیا۔ اور فرمایا: ويحك ارجع فاستغفر الله و توب اليه۔ جا اور جا کر اللہ سے توبہ استغفار کر۔ ماعز نے پھر دوسری دفعہ سامنے ہو کر اعتراف کیا۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ اس نے تیسری بار اقرار کیا۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُسے متنبہ کیا۔ کہ اگر جو بھتی باز تو نے اقرار کیا تو رسول کریمؐ حد جاری کر دیجئے۔ ماعز نے پھر اعتراف گناہ کر لیا۔ اب رسول کریمؐ نے مختلف سوالات کے ذریعے یہ جانچا کہ یتیمؐ پاک نہیں۔ جب ثابت ہو گیا۔ پاگل نہیں تو آپؐ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ آنحضرتؐ نے ماعز کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔

"استغفر والاعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امته لو سعتهم۔"

(ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ اس نے اسی توبہ کی ہے کہ پوری امت پر

تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہوگی)

ان دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول اکرمؐ نے اعتراف جرم جو چار شہادتوں کا درجہ رکھتا ہے معوقہ پر شریعت کی حد نافذ کی اس میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ فرمائی۔ یہی قرآن کا منشا ہے۔ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"النَّارِیَّةُ وَالزَّانِیُّ فَاجْلِدُوْهُمَا وَاِذَا جَدُّنِیْمَا وَاِذَا جَدُّنِیْمَا وَاِذَا جَدُّنِیْمَا وَلَا تَأْخُذْ بِمَا بِهِنَّ رَأْفَةً فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَکِنَّ اَعْدَابَ طَٰغُوتٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (النور)

(زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور مومنین کا ایک گروہ ان کے عذاب کا شاہدہ کرے)

اس آیت کے تجزیے سے تین حکامات صاف اور واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ آیت میں فوجیہ قانون کے لئے بھی "دین اللہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں معلوم ہوا کہ صرف نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ ہی دین نہیں ہیں۔ مملکت کا قانون بھی دین ہے۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز ہی قائم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم کرنا بھی دین ہے۔ جہاں یہ چیز قائم نہ ہو وہاں نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا اوصول دین قائم ہوا۔ جہاں اس کو روک کر دوسرا کوئی قانون اختیار کیا جائے وہاں کچھ اور نہیں خود دین اللہ کو روک دیا گیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلْ دِينَ اللَّهِ فَاِنَّهُ فَالِدُكُمْ هُمْ اَنْكُحُوْنَ ذُنْ هُمْ اُتْلَبُوْنَ / هُمْ اُتْلَبُوْنَ

(جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ وہ لوگ کافر ہیں وہ ظالم ہیں وہ فاسق ہیں) جو لوگ جو اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے الرجاء ہیں۔ سود، شراب، جوا، زنا، اور دوسری معصیوں کو معاشرے سے ختم کرنا نہیں چاہتے۔ عوام کو صرف نماز روزے کی چھٹی دے کر نظام مصطفیٰ کے نافذ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اللہ، قرآن، رسول اکرم اور عوام سے انصاف نہیں کرتے۔ بقول قرآن:

"فَيُؤْتُواهُمْ قَرْضًا ذَا دَهْرٍ اللَّهُ مَرَضًا"

(ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے اور اللہ ان کی بیماری کے بڑھنے کے اسباب نہیں مہیا کرتے رہتے ہیں)

اور اللہ کا فیصلہ منافقوں کے بارے میں بہت واضح ہے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرَجَاتِ اَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

قرآن نے ایسے منافقوں کے انجام سے بھی خبردار کیا ہے۔ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ اِلَّا دُخْرٌ فِي الْخُلُوْةِ الدَّنْيَا۔

ثابت ہوا کہ اسلام تعزیرات سے گریز ایک بہت بڑی منافقت ہے جو لیڈر اس قسم کے میان دے رہے ہیں کہ ابھی معاشرہ کی حالت ٹھیک نہیں۔ وہ پاکستانی عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اسلام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ محض کرسی کی خاطر اسلام اسلام کی رٹ لگا رہے ہیں۔

رُخ پر نقاب مصلحتوں کے پڑے ہوئے

لب پہ زمانہ سازی کی مہر لی ہوئی!

جیسے زبان و دل میں کوئی ربط ہی نہیں۔ اس مخالفت کے ماتحت آج ہم دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔

آیت سے دوسری بات یہ ابھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں یا اس کی متعین کی ہوئی سزاؤں میں کسی قسم کی نرمی یا مجرم کے لئے رحم اور شفقت کا کوئی جذبہ سزا نافذ کرنے میں مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ نے جو سزا تجویز فرمائی ہے۔ اور جس قدر فرمائی ہے کسی اور سزا سے اسے بدل نہیں دینا چاہیئے۔ کوڑوں کی بجائے کوئی اور سزا دینا اگر رحم اور شفقت کی بنا پر ہو تو معصیت ہے اور اگر اس خیال کی بنا پر ہو کہ کوڑوں کی سزا ایک وحشیانہ سزا ہے۔ تو یہ قطعی کفر ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا رُحدا کو خدا بھی ماننا اور اس کو معاف اللہ وحشی بھی کہنا صرف انہی لوگوں کے لئے ممکن ہے جو ذلیل ترین قسم کے منافق ہیں۔

شفقت یا معصیت رسول اکرم کی ایک حدیث ہے۔ آپ نے بڑی وضاحت سے فرمایا۔ یوقی لہ وال نقص من الخد سوطاً فیقال لہ لم فعلت ذالک فیقول رحمۃ لہ لہ لم فعلت ذالک؟ فیقول لیس فیہ من معاصیک فیقول انت احکمہم متی؟ فیویسر بہ الی النار۔

(قیامت کے دن ایک حاکم لایا جائے گا۔ جس نے اللہ کی مقرر کردہ حد سزا میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا۔ یہ حرکت تو نے کیوں کی؟ وہ کہے گا: میرے بندوں پر رحم کرتے ہوئے۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تو تو مجھ سے زیادہ ان پر مہربان تھا؟ پھر حکم ہوگا۔ اسے لے جا کر دوزخ میں ڈال آؤ۔ ایک دوسرا حاکم لایا جائے گا۔ جس نے مقررہ پر ایک کوڑے کا اضافہ کیا ہوگا۔ پوچھا جائے گا۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ وہ کہے گا۔ اس لئے کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا اچھا تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حکیم تھا؟ پھر حکم ہوگا اسے جا کر دوزخ میں ڈال آؤ۔)

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۲۵)

اس حدیث کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح ایسی جسارت کرتے ہیں کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ میں انہیں وحشت و بربریت نظر آتی ہے۔ معاشرہ ٹھیک نہیں رہیے لیڈروں کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں۔

آیت سے تفسیری بات یہ واضح ہوئی کہ شریعت کی سزا علی الاعلان چور ہے یا Public Place (میدان) میں دینی چابیے کہ مجرم ذلیل و خوار ہوا اور عوام الناس کو عبرت حاصل ہو۔ چور کے ہاتھ کاٹنے پر بھی فرمایا۔ جزاء بما کسبنا انکلاً من اللہ۔

(ان کے کئے کا اللہ کی طرف سے بدلہ اور جرم کو روکنے والی سزا)

یہاں بھی فرمایا کہ زانی کو سر عام لوگوں کے سامنے کوڑے لگاؤ۔ اسلامی قانون میں سزا کے چار مقصد ہیں۔ اول یہ مجرم سے اس کی زیادتی کا بدلہ لیا جائے اور اس کو برائی کا مزہ چکھایا جائے۔ دوم یہ کہ اسے اعادہ جرم سے باز رکھا جائے۔ سوم یہ کہ اس کی سزا کو معاشرے میں عبرت بنا دیا جائے تاکہ معاشرے میں جو دوسرے لوگ برے میلانات رکھنے والے ہوں ان کے دماغ کا اپریشن ہو جائے اور وہ اس طرح کے کسی جرم کی جرات نہ کر سکیں۔ چہاں یہ کہ اس دنیا میں شرعی سزا کے نفاذ سے آخرت میں اس گناہ کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی۔ آخرت میں وہ اسی سزا سے بری الذمہ رہے دیا جائے گا۔

یہ اسلامی تعزیرات کی حکمت ہے جس کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی شرح کم مگر امریکہ جیسے ترقی یافتہ اور خود ساختہ مذہب ملک میں زیادہ ہے۔

صحائب کرام اور ہم۔ ایک طرف اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ اور دوسری طرف اسلامی سزائوں کے نفاذ سے گریز کرنے والے لیڈروں سے کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا تعزیرات کے یہ احکامات صرف رسول اکرم اور صحابہ کرام کے معاشرے کے لئے شروع ہوئے تھے؟ کوڑوں اور ہاتھ کاٹنے کی سزائیں صرف صحابہ کرام اور صحابیات کے لئے مخصوص تھیں۔ اور ہم صحابہ کرام کی نسبت اس قدر زیادہ ہنر مند، شائستہ اور قابلِ عزت و نیک ٹھہرے ہیں کہ ہمیں یہ سزائیں وحشت و بربریت نظر آئیں۔ عہد نبوی میں اگر نو مخزوم کی عورت کا ہاتھ کٹ سکتا ہے۔ بنو جہینہ کی عورت کو رحم اور ماعز بن مالک اسلمی کو سنگسار کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے کی پشت پر کوڑے برس سکتے ہیں تو اس دور میں کون ایسا صاحبِ عروہ و جاہ ہے جو ان سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔ پس چیف مارشل لائیڈ منسٹر پٹرے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ فی الفور عدالتوں کو ایسے جرائم پر اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا حکم دے دیں۔

قانون شہادت قابلِ عمل ہے :- اسلام کے قانون شہادت پر بڑے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اور اسے ناممکن العمل گردانا جاتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ چونکہ ہمارے معاشرے میں جھوٹ

دروغ گوئی اور رشوت کے ذریعے جھوٹی شہادت دینے کا رواج بہت زیادہ ہے لہذا ہم اسلام کے معیار انصاف پر پورے نہیں اتر سکیں گے۔ یہ خدشات محض مفروضوں پر مبنی ہیں۔ یہ تسلیم کہ کچھ لوگ جھوٹی شہادتوں کا کاروبار چکامیں گے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کا آغاز ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ اب بھی بہت سے بے گناہ جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر تختہ دار پر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ اور مجرم اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر انصاف کی آنکھ سے صاف بچ سکتے ہیں۔ جس وجہ سے بہت سے لوگوں کا جھوٹ اور دروغ گوئی میں حوصلہ بڑھتا ہے۔ اس لئے کہ جھوٹی گواہی پر کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر ہم اسلام کی تعزیرات نافذ کر دیں تو ہمیں یقین ہے کہ یہ سلسلہ بھی بند ہو جائیگا اس لئے کہ جھوٹی گواہی ثابت ہونے پر جھوٹے گواہ کو بھی حد قذف کی سزا دی جائے گی۔ اسی قسم کے دیگر واقعات میں بھی جھوٹے گواہوں کو ۸۰ کوڑوں (حد قذف) کی سزا دی گئی تو معاشرہ آئندہ ایسے لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔

سورہ نور میں ہے "وَالَّذِينَ يَمُومُونَ الْعَصَصَ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِآيَاتِنَا فَجَاءُوا بِهِمْ شَكَنِينَ جَلْدًا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا" (۲۴: ۲۴) (جو لوگ پاک و امنہ عورتوں پر تمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ انہیں ۸۰ کوڑے لگاؤ اور جب تک توبہ کر کے راہ راست پر نہ آجائیں کبھی ان کی گواہی مقبوض نہ جانے)

تعزیرات کے نفاذ کا آغاز کیجئے ۱۔ ایک لمحے کے لئے چار گواہوں کی شہادت سے صرف نظر کر لیجئے۔ لیکن خدا راجح سمجھائیے کہ ان مقدمات پر ہمارا ردِ عمل کیا ہے۔ جہاں کسی شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ماضی قریب کی اخباروں میں قتل کے دو تین مشہور مقدمات ہر قاری کی نظر سے گزرے ہونگے۔ ان کی بھیاں تک تفصیلات ہم سے سامنے آ رہی ہیں۔ مثلاً سمن آباد کے ایک مہتمول احمد داد خاں کے اکلوتے نحت جگہ "اعجاز احمد عرف چو" کو صرف ۴۰ ہزار روپے کے مطالبے کی بنا پر انتہائی سفاکی سے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ قاتل گرفتار ہو چکے ہیں۔ خود قاتلوں نے (نثار احمد، افران احمد رب نواز، بقر احمد) اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔ اب جبکہ جرم کا اعتراف عدالت میں مجسٹریٹ کے سامنے ہو چکا ہے تو ان مجرموں کو مزید کچھ عرصے کے لئے جیل میں رکھنے کا کیا جواز ہے؟ یہاں کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ ایسے خود بخود قاتلوں کو جلد سے جلد سرعام پھانسی دینی چاہیئے تاکہ شریعت کا نفاذ پورا ہو سکے۔ اور شہریوں میں جان و مال کے تحفظ کا احساس پیدا ہو۔

دوسرا مشہور کیس عارف والا (ضلع ساہیوال) کے قریب ایک دیہات میں رات کے وقت سوتے میں گیارہ افراد کو جلادینے کا ہے۔ ان افراد میں معصوم بچے بھی شامل ہیں۔ قاتل گرفتار ہو چکا ہے واردات کی تفصیلات اس نے خود بتائی ہیں۔ جرم کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ اب ایسے مقدمات میں کسی شہادت کی گنجائش باقی ہے؟ جو مقدمات شہادت طلب ہیں ان پر بغیر شہادت کے سزا نہ دی جائے شریعت کا تقاضا وہاں ہر صورت پر راکھا جائے۔ مگر جہاں جرم اس قدر واضح اور نمایاں ہو اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ وہاں تو وہ خواہ شک کا فائدہ (BENEFIT OF DOUBT) دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ ہمارے محامد شرعی میں رائج الوقت قانون (۱۹۳۵ کا انڈیا ایکٹ) کے مطابق پہلے مظلوموں کے خلاف چالان عدالت میں پیش ہونگے۔ پھر سال ڈیڑھ سال مقدمات کی کارروائی جاری رہے گی۔ مجرم جیل میں سڑتا رہے گا۔ یہ بلا وجہ اس پر ظلم ہے۔ اگر بلا بھی ہو گیا تو عادی مجرم بن کر جیل سے باہر آئے گا۔ اگر اسے پھانسی کی سزا بھی سادی جائے تو دو تین سال اس کا جیل میں رہنا کس کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ اس دوران فریقین اپنی زمینیں بیچ بیچ کر بھی دیکھوں کی فیس ادا کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دونوں گھرانے دیوالیہ ہو جائیں گے۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر یہ نہیں ہے کہ مجرم کو زیادہ سے زیادہ سات دنوں میں باعزت بری کر دیا جائے یا جرم ثابت ہونے پر تختہ دار پر پھینچ دیا جائے۔ جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم کے کیس میں سعودی عرب میں ہوا۔

قاتل اور مجرم ہمدردی کے مستحق نہ ہماری بد بختی کی یہ انتہا ہے کہ ہم قاتلوں اور مجرموں کو تو اپنی مروت اور شفقت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ مگر جس خاندان کے ساتھ ظلم ہوا اس کے ساتھ ہمیں کوئی ہمدردی نہیں پھر یہ کہاں نکلا ہے کہ جہاں شہادتیں پوری نہ ہوں، وہاں بھی قرآن کی حد جاری کر دی جائے؟ ایک آسان فہم بات یہ ہے کہ جہاں تین گواہ موجود ہیں۔ مگر ایک گواہ موجود نہیں۔ وہاں شریعت قرآنی مدد کو نافذ کرنے کا حق نہیں دیتی۔ یا اگر چار شہادتیں بھی موجود ہوں مگر حالات اور قرآن سے یہ بات ثابت ہو کہ یہ واقعہ حقیقت کے خلاف ہے، جرم کے ثبوت کے لئے شہادتیں ناکافی ہیں یا شک کی بنیاد موجود ہے تو وہاں شک کا فائدہ ہر حال میں مجرم کو ملے گا۔

اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ حجت قاطعہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ (بصرہ کے گورنر) اور ابوبکرؓ کے تعلقات آپس میں کشیدہ تھے۔ دونوں کے ممالک ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ ایک روز ہوا کہ زور سے دونوں مکانوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ابوبکرؓ اپنی کھڑکی بند کرنے کے لئے اٹھے تو ان کی نگاہ حضرت مغیرہؓ کے کمرے میں جا پڑی۔ انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو مباشرت میں مشغول دیکھا۔ اپنے تین دوست

(نافع بن کاہ - زیادہ شیل بن مجاہد جو ان کے پاس موجود تھے - انہیں گواہ ٹھہرایا۔ دوستوں نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ ابو بکرؓ نے کہا - اُم جمیل! مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے میغیرہ کو معطل کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کا گورنر مقرر کر دیا اور علوم کو گواہوں سمیت طلب کیا۔ پیشی پر ابو بکرؓ اور دو گواہوں نے کہا - ہم نے میغیرہ کو اُم جمیل کے ساتھ بالفعل مباشرت کرتے دیکھا ہے۔ مگر زیادہ نے کہا - عورت صاف نظر نہیں آتی تھی۔ اور میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اُم جمیل تھی۔ حضرت میغیرہ نے جرح سے یہ ثابت کر دیا کہ جس رخ سے یہ دیکھ رہے تھے۔ وہاں سے عورت کو صاف دیکھنا ممکن نہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ ثابت کی کہ ان کی بیوی اور اُم جمیل شکل و صورت میں بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ قرآن سے صاف طور پر یہ واضح تھا کہ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں ایک گورنر خود اپنے سرکاری مکان میں اپنی بیوی کی موجودگی میں ایک غیر عورت کو گھر بلا کر دن و نائٹ کے لیے زنا کر سکتا تھا؛ حضرت عمرؓ نے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد حضرت میغیرہؓ کو بری کر دیا۔ اس لحاظ سے اسلام کے انصاف کا معیار یہ ہے کہ گواہوں کی شہادتوں میں اگر معمولی سا بھی سقم موجود ہو تو شریعت کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہاں ایک مسلمان کی جان کا معاملہ ہے۔ محض معمولی سزا کا معاملہ نہیں۔ ان واقعات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر تعزیرات سخت ہیں تو قانون شہادت بھی سخت ترین ہے۔ جہاں جرم کے ثابت ہونے پر اسلام مجرموں کو کسی قسم کی رورعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اسلام مجرموں سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ مظلوموں (AGGRIEVED) کی وادری اس کا نشانہ ہے۔ وَلَكِنَّ فِي الْقِصَاصِ حِكْمًا تَأْوِيلُ الْأَلْبَابِ - (اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے)

قرآن کا یہ روح پرور پیغام ہی انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے۔ مجرموں سے ہمدردی کرنے والا معاشرہ سسکتے اور تڑپتے مظلوموں کے زخموں پر اور زیادہ نمک پاشی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان گزارشات کی روشنی میں ہم چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے چیدہ چیدہ کیسوں سے شریعت کی سزائوں کے فوری نفاذ کا حکم جاری کیا جائے تاکہ پُر امن پُر سکون معاشرہ وجود میں آسکے مزید ہمت سے حالات دن بدن خراب ہو جائیں گے اور خدانہ کرے ہم کسی ایسی منزل تک جا پہنچیں۔ جہاں سے واپس آنا ہمارے لئے مشکل ہو۔ عوام الناس سے ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے ہم سب ملکر قرآن کے دامن سے چپٹ جائیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں۔ اور مدامت و منافقت چھوڑ کر نظام مصطفیٰ کو اس کی صحیح

مکمل صورت میں نافذ کرنے کا مطالبہ کریں۔ فاضل عدلیہ سے ہماری استدعا ہے کہ وہ جلد سے جلد ایسا اہتمام کریں جس سے غیر اسلامی قوانین ختم ہو سکیں۔ کہ اب انہیں اس ذمہ داری کا سزاوار بنا دیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں بھی خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے *

سنتِ خیر الانام

آرزو کا شمیمی

منبعِ صدق و صفا ہے سنتِ خیر الانام

چشمہٴ رشد و ہدٰی ہے سنتِ خیر الانام

زندگی کا راستہ ہے سنتِ خیر الانام

راہِ برہے رہ نما ہے سنتِ خیر الانام

آگ ہے اک آگ ہے تہذیبِ حاضر و ستو

ہلکی ہلکی سی صبا ہے سنتِ خیر الانام

اُن کی سیرت صورتِ قرآن دیکھا کیجئے

کیمیا در کیمیا ہے سنتِ خیر الانام

غنچہٴ دل کو صبا ہے نامِ پاک مصطفیٰ !

اک بہارِ جانفزا ہے سنتِ خیر الانام

بے گماں مشکل کشا ہے ہر حدیثِ مصطفیٰ

بے گماں مشکل کشا ہے سنتِ خیر الانام

اپنے نے جو کچھ کہا وہ کر کے بھی دکھلا دیا

معجزوں میں معجزہ ہے سنتِ خیر الانام

بھارا زقرآن لازا اپنا یہی ایمان ہے

دین و دنیا کی دوا ہے سنتِ خیر الانام

نقد و نظر

مولانا براق التوحید

عورت کی گواہی

برسلسہ تعزیرات اسلام

چند دن ہوئے ترجمان القرآن (بابت ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ) نظر سے گذرا جس میں تعزیرات اسلام کے عنوان سے مولانا بشیر احمد صاحب قاضی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جو خاصہ فکر انگیز ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب دستور دائین اور قوانین و تعزیرات پر کھل کر کام ہونا بھی چاہیے۔ تاکہ وہ تمام اندھیرے چھٹ جائیں جو ”خوئے بد“ کے لئے وجہ سہارا رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جن اختلافات سے انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھائے ہیں۔ ان کا بھی مداوی ہو جائے !

قاضی صاحب موصوف کا یہ مضمون دراصل ان کی اس کتاب کی ایک باب ہے جو عدالتوں کی سہولت کے لئے انہوں نے ”مجموعہ تعزیرات اسلام“ کے نام سے نئی طرز پر دفعہ بندی کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ اس مجموعہ کی تیاری میں انہوں نے کن امور کو ملحوظ رکھا ہے ؟ بقول ان کے یہ ہیں :

(۱) معتد اور مشہور کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔

(۲) مفتی بہ قول کو دفعہ کی عبارت میں ذکر کیا گیا اور ائمہ کے اختلافات کو اس دفعہ کے ذیل میں تشریح کے عنوان سے بیان کر دیا گیا ہے۔

(۳) حنفی مسلک کو دفعہ کی بنیاد بنایا گیا ہے اور باقی ائمہ کے مسلک کو اس کے ذیل میں بیان کر دیا گیا ہے

(ترجمان القرآن ص ۱۳۱ ماہ نومبر ۱۳۹۷ھ)

معتد کتب : معتد کتب سے ان کی کیا مراد ہے ؟ اور اس کے لئے انہوں نے کونسا معیار ملحوظ رکھا ہے ؟ قاضی صاحب نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

مفتی بہ قول :- اگر دفعہ کی بنیاد حنفی مسلک کو بنایا گیا ہے تو مفتی بہ قول کے کچھ معنی نہیں رہتے۔ اگر اختلاف ائمہ سے مراد ائمہ اربعہ کے بجائے حنفی علماء ہی ہیں تو کچھ بات گھر کی گھر میں ہی رہی۔

حنفی مسلک دفعہ کی بنیاد ہے :- اس سے تو بہتر حنفی مکتب فکر تھا۔ کیونکہ وہ اقرب الی الحریث بھی ہے اور ان سب متاخر بھی۔ حنفی ائمہ کا دور تدوین حدیث سے پہلے کا دور ہے۔ اس لئے ان کے ہاں

دے دیا ویسے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ مجبوری تھی۔

عورت کی گواہی: قضای صاحب کا خیال ہے کہ: مقدمات میں تو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی مگر حدود اللہ میں نہیں۔

مثلاً عام مقدمات کے ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو کافی سمجھا گیا ہے مگر حدود اللہ میں عورتوں کی گواہی کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا گیا۔ (ترجمان صلا)

ہمارے نزدیک یہ بات بالکل محل نظر ہے۔ کیونکہ اس استثناء کی دلیل کوئی نہیں اور اس سلسلے میں جو روایت (مضت السنہ) بیان کی جاتی ہے منقطع ہونے کے علاوہ اسمعیل بن عیاش اور حجاج بن ارطأ کی وجہ سے ضعیف بھی ہے۔ باقی رہتے تابعین کے اقوال؛ سو وہ قرآن و حدیث کے مقابلے کی چیز نہیں ہے۔ خاص کر جب ان کے برعکس تابعین کے اقوال بھی مل جاتے ہوں۔ مثلاً حضرت عطاء بن ابی رباح کا ارشاد:

لوشہد عندی ثمان نسوة علی امرأة بالزنا لو حبتھا (معلی) وفی روایت عندہ: تجوز شهادة النساء مع الرجال فی کل شیء و تجوز علی الزنا امرأتان مع ثلاث رجال (مصنف عبد الرزاق ص ۳۳)

امام زہری فرماتے ہیں:-

تجوز شهادة النساء علی القتل اذا کان معهن رجل واحد (عبد الرزاق)
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی ایک فیصلہ کیا تھا کہ ایک عورت نے ایک بچہ کو روند کر ہلاک کر دیا تو حضرت علیؑ نے عورتوں کی شہادت قبول کر لی اس کے لئے عورت کو دیت دینے کا حکم دیا تھا (معلی)۔

اصل اصول یہ ہے کہ گواہ عادل ہو فسق اور کبار کا ترکب نہ ہو فاشہد ذوی عدل منکم (قرآن)
اِنَّ جَاءَكُمْ مِمَّا مِثْقَلُ بُدْبَا فَبُیِّنُوْا (قرآن)
فقہائے بھی اس کی تصریح کی ہے:-

والذی بقی علیہ امر الشهادة اشياء ثلثة احداها العدالة والاخر نفی التهمة وان کان عدلا والثلث اللیقظ والحفظ وقلة العقلة (احکام القرآن ص ۵۹)

پانہا قصات القتل والذین کی بنیاد پر یہ ضرور ہوا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی گئی ہے جو کئی تھی دو سے پوری ہو گئی۔ ایک ایک دو گیارہ۔

حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ شہادة امرأتین

تعدال شہادۃ رجل (مسلم)

حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ گواہ عادل ہونا چاہیئے :

المسلمون عدول بعضهم على بعض الا معتر باعلیہ شہادۃ شہادۃ زور او مجبور او فی حد
صحابہ سے حضور نے فرمایا کہ کیا ایک عورت کی گواہی مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں ہوتی ؟

ہم نے کہا :

المیں شہادۃ المرأة مثل نصف شہادۃ الرجل یا رسول اللہ (الحدیث)

بہر حال عورت کی گواہی ہر مقدمہ میں قبول ہو سکتی ہے صرف نصاب کا خیال رکھا جاسکتا ہے

امام ابن حزم نے اس پر تفصیل تبصرہ اور تنقید کی ہے ملاحظہ ہو (محلی ص ۴۰)

اقسام حد - قاضی صاحب نے حد کی پانچ اقسام بیان کی ہیں - حالانکہ بحارت اور ازداد بھی قابل حد جرائم ہیں
اتما جواؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا ویصلبوا

أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض (المائدہ ۳۳)

یہی کیفیت ازداد کی ہے - احادیث میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے - (جاری ہے)

تیسیر الباری

ترجمہ تشریح صحیح البخاری

(از علامہ وحید الشمان رحمۃ اللہ علیہ)

اردو زبان میں صحیح البخاری کی یہ سب بڑی شرح ہے، ہر حدیث کے متعلق مطلب نیز باحاورہ ترجمہ

میں مطاب کتاب کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ ترجمہ، ترجمہ معلوم نہیں ہوتا اور حدیث کا مطلب خوب

ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی ہر حدیث کی شرح بھی مختصر تشریح مثلاً فتح الباری کرمانی، یعنی اور قسطلانی

وغیرہ سے مرتب کر کے لکھی گئی ہے اور مذاہب مجتہدین بھی ہر مسئلہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں -

اعلیٰ مجلس دین سنہری ڈائی مار، علاوہ ازیں عربی، اردو، ملکی غیر ملکی دینی کتابیں خریدنے اور بیچنے

کے لئے یہیں یاد فرمادیں :

منیجر حمانیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد

جناب پروفیسر محمد سلیمان انظر

مغالطوں کا ازالہ

(حضرت عیسیٰؑ تاریخ کے آئینے میں)

ماہنامہ محنت بابت ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ میں ہمارا ایک مضمون "حضرت عیسیٰؑ تاریخ کے آئینے میں" شائع ہوا۔ جسے پڑھ کر ہمارے مسیحی احباب کی پیشانی پر پل پڑ گئے ہیں۔ اور ان کے ماہنامے میں ایڈیٹر کے قلم سے بزم خود ہماری گزارشات کا جواب دیا گیا ہے۔ جو تنقید برائے تنقید سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ دراصل انہوں نے ہمارے مضمون کو بغور پڑھے بغیر ہی تنقید کر ڈالی ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ جن باتوں کی تردید میں وہ قلم اٹھا کر ہمیں مورطین ٹھہرا رہے ہیں ہم خود اپنے مضمون میں ان کی تردید کر چکے ہیں۔ دوسری بات جس کی جانب محترم اتحاد نے دھیان نہیں دیا وہ ہمارے مضمون کا عنوان ہے یعنی ہم مسیح کو قرآن یا انجیل کے آئینے میں نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ انہیں تاریخ کے صفحات میں تلاش کر رہے تھے اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۲ کے مطابق۔۔۔ "روایتی انداز میں مسیح کی سوانح لکھنا ناممکن ہے صرف ایک ایسی تصویر کی تصویر کشی کی جاسکتی ہے جو مسیحی عوام کے حقائق میں موجود ہے۔ اس تصوراتی تصویر کی تصویر کس قدر ثقہ ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارا علم مسیح کی زندگی کے حالات کے متعلق اس سے کہیں کم ہے جتنا کچھ ہم پرانے قیصروں اور نئے انعام یافتگان کے متعلق لکھتے ہیں۔" گویا مسیح کے متعلق ہم نے تاریخ سے حاصل ہونے والے اسی محدود علم کی بنا پر وہ مضمون لکھا تھا اور چونکہ تاریخ کے مسیح اور مسیحی عوام کے مذہبی تصورات پر مبنی مسیح میں بعد المشرقین ہے اس لئے پادری صاحب کو ہمارا مضمون ناگوار گزرا ہے جس کے لئے ہم تہ دل سے معذرت خواہ ہیں تاہم ان نکات کا جواب دینا اور بعض حقائق کا تفصیلی ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں جنہیں غلط رنگ میں پیش کر کے پادری صاحب نے اپنے تعاقبی مضمون کا تار و پود ترتیب دیا ہے۔

فاضل نقاد کا خیال ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کا ذکر عام اور ساقیانہ انداز میں کیا ہے حالانکہ وہ برگزیدہ شخصیت ہیں۔ ہمیں سیدنا عیسیٰؑ کے برگزیدہ رسول ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ ہی ہم ان کی شان میں گستاخی کا تصور تک کر سکتے ہیں۔ ہمارے بعض فقرات کا تذکرہ کر کے محترم پادری صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے، گویا ہم مسیح کو ایک عام سا انسان سمجھتے ہیں۔

کے باوجود عرصہ امتحان میں داویلا کے جار رہا ہے۔ پیچ رہا ہے۔ اللہ سے شکوہ کناں ہے۔ اس سے بدگمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہم ایسے مسیح کو نہیں مانتے یہ مسیح آپ کو مبارک، ہم تو اس شخص کو مسیح مانتے ہیں جو نہ صلیب پر چڑھایا گیا، نہ جان کنی کی کیفیات سے گزرا اور نہ یوں بدگمان ہو کر چٹیا چلا یا۔ بلکہ وہ اپنا فریضہ (یعنی آنے والے احمد کی بشارت) پورا کرتے کرتے بحفاظت آسمان پر چلا گیا۔ اور اب اس وقت کا منتظر ہے جب وہ یہود اور عیسائیوں کے غلط تصورات کا تار و پود بکھیرنے کے لئے زمین پر واپس آنے کے حکم کا منتظر ہے۔

ایڈیٹر صاحب نے ہم پر جو اعتراضات کئے ہیں۔ انہی کے الفاظ میں ان میں سے ایک یہ ہے: ”مزید برآں اس مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب مضمون نے صرف انجیل کا انگریزی ترجمہ دیکھا ہے۔ کیونکہ جتنے ناموں کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ ان کا تلفظ اور لہجہ انگریزی ہے، مثلاً ہیروڈ، نظارت، کپرنوم، میری آف میکڈالا، سامن وغیرہ۔“

محترم نقاد نے اعتراض تو کر دیا۔ ہے کہ صرف انگریزی ترجمہ دیکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ پھر کون سا ترجمہ انہیں قابل قبول ہے تاکہ ہم اسے بھی دیکھ لیں کیونکہ دیکھنا تو بہر حال ترجمہ ہی ہے اصل متن موجود نہیں ہے اور شاید مسیحی علماء کو یہ تک معلوم نہیں کہ انجیل اصلاً کس زبان میں تھی؟ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۳ ص ۵۲۲ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے اور ان کی مادری و مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامیؒ گویا اس بات کا تعین کرنا ہی از حد مشکل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان کیا تھی اور جس قوم سے وہ جس وقت مخاطب تھے وہ قوم اس وقت کس زبان میں بات کرتی اور سمجھتی تھی؟ خود لفظ انجیل کو عام طور پر یونانی لفظ قرار دیا گیا ہے اور آکسفورڈ ڈکشنری میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ انجیل یونانی لفظ *angelos* سے مشتق ہے جس کے معنی پیغام پر کے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتدائی عیسائیوں نے اپنے مذہبی صحیفے نیز مقدسے دین کے حالات کے لئے جو کتاب لکھی اس کا نام عبرانی کی بجائے یونانی کیوں رکھا۔ اس کا صحیح جواب اس وقت مل سکتا ہے جب ہم پتہ چلا لیں کہ انجیل اصلاً کس زبان میں تھیں۔ اگر عبرانی میں تھیں اور بعد میں ان کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کتاب کا نام انجیل نہیں ہو گا جو یونانی لفظ ہے۔ لیکن جس طرح ہمارے پاس اصل عبرانی انجیل موجود نہیں میں اسی طرح اس کا اصل نام بھی ناپید ہو چکا ہے۔ (بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ ص ۴۲)

جس کتاب کا اصل نام موجود ہے نہ اس کا اصل متن موجود ہے اسے پڑھنے کے لئے تراجم

پری انحصار نہ کیا جائے تو۔ ط کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا!۔ اور تراجم میں جو حیثیت عیسائیوں کے لئے انگریزی ترجمہ کی ہوگی وہ کسی سے مخفی نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی ہم یورپی زبانوں میں سے صرف انگریزی ہی سے کسی حد تک آشنائیں۔ باقی یورپی زبانوں کا مسئلہ ہمارے لئے، ط زبان یا رمن ترکی و سن ترکی نمی دانم والا ہے۔

انجیل کی بات چیل نکلی ہے تو ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ذرا اصل انجیل کے درجہ استناد کے متعلق بھی کچھ باتیں ہو جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس کتاب کو الہامی کتاب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ہمارے مسیحی احباب اس کی کیا گت بنا چکے ہیں اور اب ہمیں اس کتاب کو تحقیق کے طور پر پڑھنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

موجودہ انجیل کے متعلق ہمارے مسیحی دوستوں کا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب الہامی ہے، خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے اور مسلمانوں کے قرآن نے اس کی تصدیق کر کے اس کے مندرجات کو خود مسلمانوں کیلئے حجت بنا دیا ہے اور اس کی تصدیق کرنا ان کے لئے ضروری قرار دیا ہے، قطعاً بے بنیاد اور مذہبی بددیانتی کی بدترین مثال ہے۔ کیونکہ جس انجیل کی قرآن نے تصدیق کی ہے وہ کراہی پر کہیں موجود نہیں ہے اس کا اصل نام اور اصل متن تو ایک طرف، یہ تک معلوم نہیں کہ وہ کس زبان میں ہے، اصل کی عدم موجودگی میں جو کتاب انجیل کے نام سے پیش کر کے دنیا کو دھوکہ دیا جا رہا ہے وہ نہ تو الہامی ہے، نہ قرآن کی مصدقہ اور نہ ہی مسلمانوں کے لئے اس کے مندرجات حجت ہیں۔ خود عیسائی محققین اسے ایک غیر ثقہ تاریخی وغیرہ روایات کے سوا کوئی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ میں اس موضوع پر وہ بہت کچھ موجود ہے جو اس انجیل کے غیر ثقہ ثابت کرنے کے ضمن میں عیسائی محققین نے لکھا ہے۔ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قارئین کے سامنے تصویر کا یہ رخ بھی پیش کر دیا جائے۔

مسیحیوں کے نزدیک آج کل بنیادی طور پر انجیل سے مراد وہ چار کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی، معجزات اور تعلیمات کے متعلق مختلف وقفوں میں لکھی گئیں اور متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں لیکن کبھی کبھی پورے عہد نامہ جدید کے لئے بھی انجیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس طرح یہ موجودہ بائبل کا حصہ ہے مسیحیت کے ابتدائی زمانے میں بہت سی انجیل موجود تھیں مگر اتھاناسیوس (Athanasius) (371-430ء) کی کوششوں سے کلیسائے مذہبی پیشواؤں نے مجلس نیقیہ (Nicaea) کے بعد ان میں سے چار انجیل لے کر باقی ترک کر دیں۔ ان متروک انجیل کو انگریزی میں Apocryphal یعنی غیر مستند غیر موثق اور متروک حصے کہتے ہیں۔ مسیحی ادب میں مندرجہ ذیل انجیل

کا ذکر ملتا ہے :

انجیل طفولیت منسوب بہ متی۔ انجیل پطرس مروجہ۔ انجیل اول۔ یوحنا مروجہ۔ انجیل دوم یوحنا۔ انجیل اندریاس۔ انجیل نیل بوس۔ انجیل بارتھولوس۔ انجیل اول طفولیت منسوب بہ توما۔ انجیل دوم طفولیت۔ منسوب بہ توما۔ انجیل یعقوب۔ انجیل نیکودیس۔ انجیل متھیاس۔ انجیل مرقس (مصریوں کی) انجیل مرقس مرقس۔ انجیل برناباس۔ انجیل لوقا مروجہ۔ انجیل متی مروجہ۔ انجیل تھیڈئس۔ انجیل پولوس۔ انجیل لیبسی لیدس یا بازی دس۔ انجیل سترقس۔ انجیل ایبانی۔ انجیل یہودیہ۔ انجیل مارکیون۔ انجیل ناصربن۔ انجیل ٹامبان۔ انجیل ولن ٹینس۔ انجیل سٹی تھیئس۔ انجیل اپلس۔ انجیل انکارٹیسٹ۔ انجیل ولادت مریم۔ انجیل جوڈرس۔ انجیل کابلیٹ ان تمام مذکورہ بالا ادب میں شدید اختلاف ہے۔ ان کے طریق تدوین اور ان کے زمانے کی تعیین پر بھی اتفاق نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے Jewish Encyclopaedia 9:247 اور یہ قطعاً الہامی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے کلام میں اختلاف نہیں ہوتا۔ خود عیسائی محققین کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

”دراصل عہد نامہ جدید کو مقدس اور الہامی قرار دینے کا تصور عیسویت میں یہودیت سے آیا ہے۔“
(Ency. of Ethics and Religious 2:588)

”حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی بائبل فقط عہد نامہ قدیم تھی۔ جہاں تک ہمارا موجودہ علم رہنمائی کرتا ہے۔ وہ خود اور ان کے حواری عہد نامہ قدیم کو اپنے لئے بالکل کافی خیال کرتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰ کی وفات کے بیس سال تک کسی کو نئی کتاب کی تدوین کا خیال نہ آیا اور جب خیال آیا تو عہد نامہ قدیم کا نمونہ پہلے سے موجود تھا۔ اس کو سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ انجیل کی ترتیب کا کام شروع ہوا جس نے رفتہ رفتہ عہد نامہ جدید کی صورت اختیار کر لی“ (Ency. Britannica عنوان New Testament)

ابتدائی مسیحی تاریخ میں اتھانیسوس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیقیہ کی مشہور مجلس منعقدہ ۳۲۵ء کا بھی یہ اہم رکن تھا اور اسی کی کوششوں سے فیصلہ ہوا کہ مسیح کی شخصیت جامع الوہیت و ناسوتیت تھی۔ عہد نامہ جدید کی جمع و تدوین میں بھی اس کی جدوجہد بڑی اہمیت رکھتی ہے اس نے ۳۶۷ء میں عہد نامہ جدید کو موجودہ شکل دی اور ۳۸۲ء میں اس کے اجزائے ترکیبی کا قطعی فیصلہ ہوا۔ اس سال روم میں پوپ دماسس (Damascus ۳۶۶ تا ۳۸۴ء) کے ماتحت ایک مجلس کلیسا منعقد ہوئی۔ اس میں عہد نامہ جدید کے لئے اتھانیسوس کی مجوزہ شکل تسلیم کر لی گئی۔ اس تجویز کے مطابق اس کی ہیئت ترکیبی یہ ہے:

اناجیل اربعہ۔ رسولوں کے اعمال۔ پولوس کے تیرہ مکتوب۔ عبرانیوں کے نام کا خط جس کے کھنسنے

والے کی تعین نہیں ہو سکی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خط بھی پولوس کا ہے لیکن محققین کی بڑی تعداد کی رائے میں یہ خط پولوس کے کسی شاگرد کا ہے۔ یعقوب۔ یوحنا۔ پطرس اور یہودہ کے آٹھ خطوط اور آخر میں مکاشفہ۔ یوحنا۔ ان کتب و رسائل کو مستند تسلیم کر کے باقی تمام انجیلیں اور خطوط متروک قرار دے دیئے گئے۔

روم میں ۳۸۲ء کی مجلس نے جن کتب کو مستند تسلیم کیا تھا۔ پوپ گلاسیوس (۴۹۲ء-۴۹۶ء) نے ان کی توثیق کی اور باضابطہ طور پر انہیں سند قبول عطا کی۔ دراصل ابتداء میں کوئی ایسا واضح خط نہیں تھا جس کے بعد کوئی صحیفہ عہد نامہ جدید میں شامل ہو گیا جاسکتا اور سمجھا جاسکتا کہ عہد نامہ جدید کا نسخہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس عہد نامے کا معین تصور قائم ہونے میں مزید ایک صدی لگ گئی۔ بعد ازاں مزید دو صدیاں اس طرح صرف ہو گئیں کہ بعض کتابوں کو اس مقدس مجموعے کا جزو بنایا جاتا اور بعض کو اس سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ یا ایک گروہ ایک مجموعہ بناتا تھا اور دوسرا گروہ اس کے مقابلے میں ایک اور مجموعہ پیش کر دیتا تھا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں جا کر ایک مکمل بائبل کلیسا کے ہاتھ آئی۔ لیکن اس وقت تک بھی سریانی بائبل نے بھی کوئی معین شکل اختیار نہ کی تھی دراصل ۶۹۲ء میں مسیحی دنیا کے سوا دا عظم نے ایک مکمل بائبل پر اتفاق کیا۔ گو آج بھی مختلف گروہوں کی بائبلوں میں کتب کی تعداد مختلف ہے مثلاً کینتھوکل بائبل ۲۷ کتب پر مشتمل ہے اور پروٹسٹنٹ بائبل ۶۶ کتب پر۔

مسیحی علماء نے عہد نامہ جدید کے متن کی تصحیح کے لئے گزشتہ صدیوں میں جان توڑ کوشش کی ہے اس تلاش و تحقیق سے امید تھی کہ اناجیل کے کسی ایک متن پر ہمیشہ کے لئے اتفاق ہو جائے گا۔ لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ مشہور برمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کر کے مقابلہ کیا تو ۲۰ ہزار اختلافات شمار کئے۔ جان جیمس اور بطسلیں نے مختلف ملکوں میں پھر کر متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھ کر جب مقابلہ کیا تو دس لاکھ اختلافات شمار کئے۔ یہ اختلافات زیادہ تر قرأت و کتابت کے ہیں لیکن ان میں بکثرت ایسے اہم اختلافات بھی ہیں جن سے حق و باطل اور اصلی و غیر اصلی عبارات اور مضامین کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ بعض حصے الحاقی ہیں اور کہیں کچھ حصے کم ہیں۔ کہیں عبارت کو بدل دیا گیا ہے۔ نسخوں کے ان اختلافات نے متن انجیل سے تعلق رکھنے والے متعدد مشکل مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کا قطعی نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ مل (MILL) نے ۱۷۰۷ء میں اور ویٹ شٹائن Wetstein نے ۱۷۵۱ء میں بڑی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا ہے کہ عہد نامہ جدید میں بڑی زبردست اور اہم تحریف ہوئی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا بائبل پر مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مل اور ویٹ شٹائن نے ہمیشہ کے لئے ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ جدید میں جو اختلافات ہیں جن میں سے بعض

بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں، بالکل آغاز ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور پادری مارن Horne نے اپنی مشہور کتاب دیباچہ علوم بائبل ۲: ۱۷۷ میں تحریف بائبل کی وجوہ کا بھی عالمانہ انداز میں ذکر کر کے موجودہ بائبل کے غیر الہامی تحریف شدہ اور شخصی تصنیفات ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

قارئین کرام! دور جدید میں الہامی کتاب کے طور پر پیش کی جانے والی انجیل کی سرگزشت آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، ہر معقول انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس میں موجود حالات و واقعات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے اور مسلمان جس انجیل کی تصدیق کرتے ہیں، اس کا عیسائیوں کی موجودہ انجیل سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ شاید پادری صاحب فرمائیں کہ مسلمانوں کی تصدیق شدہ انجیل کہاں ہے؟ ہم عرض کریں گے کہ اللہ نے اپنی کتابوں کو اسی وقت تک باقی رکھا جس وقت تک ان کی ضرورت تھی جب ضرورت کا زمانہ ختم ہو گیا وہ کتابیں اللہ نے خود بخود دنیا سے اٹھائیں۔ انجیل کا وقت بھی چونکہ ختم ہو چکا ہے اسلئے اصل انجیل اب تختہ ارض پر کہیں موجود نہیں ہے۔ جب ضرورت ہی نہیں تو وجود کے کیا معنی؟ چونکہ ہم موجودہ انجیل کو اصلی نہیں مانتے اسلئے اسے الہامی سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کے مندرجات (جو باہم اختلافات سے پُر ہیں) ہمارے لئے قطعاً حجت نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن ہم سے اس نقلی اور تحریف شدہ انجیل کی تصدیق کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

ایک جگہ پادری صاحب اعتراضات کی تعداد بڑھانے کے لئے لکھتے ہیں:

”پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں کہ یہودی روایات کے مطابق یوسف و مریم کے گھرانہ کی مقابرت سے پہلے کلمۃ اللہ کے ذریعے آپ کی پیدائش ہوئی۔ (پادری صاحب نے اس پر اعتراض یہ کیا ہے) کلمۃ اللہ کے ذریعے نہیں بلکہ آپ کی پیدائش روح القدس کی قدرت سے ہوئی اور قرآن مجید میں بھی لکھا ہے: ”وَأَنبِئْنَاكَ بَرُوحِ الْقُدُسِ“ پادری صاحب نے مجھے تو طعنہ دیا ہے کہ میں قرآن و انجیل سے ناواقف ہوں۔ لیکن اپنا مبلغ علم ان سے اوچھل ہے ان کی انجیل لو قایم ہے۔ ”مریم نے فرشتہ سے کہا: یہ کیونکر ہو گا جب کہ میں مرد کو نہیں جانتی۔ اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ مولود مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا“ (زندہ کلام ص ۵۲)

ان فقرات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی ولادت خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی۔ روح القدس تو محض ایک واسطہ تھا، لیکن پادری صاحب اپنی انجیل کے علی الرغم کہے جا رہے ہیں کہ مسیح کی ولادت روح القدس کی قدرت ہے۔ اللہ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ شاید اب پادری صاحب ایک میں

تین تین میں ایک والی بحث شروع کر دیں گے جس سے زیادہ فضول ترین بحث دنیا میں شاید ہی کوئی ہو۔

قارئین کرام! آئیے اب میں آپ کو اس بات سے آگاہ کروں جس کے باعث جناب پادری صاحب نے منکر احکام خدا، منکر قرآن، منکر انجیل، توہین مسیح اور مرزا غلام احمد قادیانی کی شاگردی کے تھے اس بندہ عاجز کے سینے پر آویزاں کر دیئے ہیں اور ساتھ ہی ماہنامہ محدث کو بھی اپنی قلبی سخاوت سے نواز دیا ہے۔ وہ بات محدث کے ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ کے شمارے میں میرے شائع ہونے والے مضمون سے پادری صاحب نے اپنے رسالے کلام حق گو جزاوالہ جنوری ۱۹۷۸ء کے ص ۷-۸ پر یوں درج کی ہے۔

میری تحریر اور پادری صاحب کا اس پر روائ تبصرہ آپ ملاحظہ فرمائیجئے۔ میں نے لکھا تھا:-

”ایک فرانسیسی کو مصر سے ۸۳ء کی ایک تحریر ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام مصر کے دوران مسیح نے کسی طبی ادارے میں داخلہ لے لیا تھا اور اس فن میں اتنے کامل ہو گئے تھے کہ اپنے اساتذہ کو بھی حیران کر دیا۔ اس بات کو ہمارے ایک متجربہ دہ نے بھی بیان کیا ہے تاکہ آپ کے معجزات کی عقلی توجیہ کی جاسکے۔ اس قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں اس دور میں جادو اور شعبدے کا بھی بڑا رواج تھا۔ اور آپ نے اس میں بھی کمال حاصل کر لیا اور آپ کا پرندہ وغیرہ بنا کر زندہ کر کے اڑانا دراصل شعبدہ بازی تھا۔ (قرآن نے موسیٰ اور جادو گردوں کے ضمن میں جادو و شعبدے اور معجزے کے فرق کو بیان کر دیا ہے)“

قارئین یہ ہے میری تحریر جو محدث اور مسیحی ماہنامے دونوں میں شائع ہوئی ہے آپ اسے بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ آیا میں مسیح کے معجزات کو معجزات قرار دینا چاہتا ہوں یا شعبدہ بازی۔ میں نے تو جس انداز میں ذکر کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میں ان لوگوں کی آزاد کی تردید کرنا چاہتا ہوں جو جیلوں بباؤں سے معجزات کی عقلی توجیہ کر کے ان کی اہمیت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو معجزات انبیاء کا قائل ہوں اور ان کی عقلی توجیہ کرنے والوں کا مخالف ہوں اور انہی کی تردید میں یہ پیرا لاف میں نے لکھا تھا۔ لیکن تصور فہم و عقل کے باعث پادری صاحب نہیں سمجھ سکے یا محض تنقید کے جوش میں انہوں نے سمجھنا نہیں چاہا اور مجھے معجزات مسیح کا منکر قرار دے کر قرآن کا بھی منکر بنا دیا۔ اور جس بات کی میں تردید کر رہا تھا، وہ میرا موقف قرار دے کر بڑی تند و تیز تنقید بایں الفاظ کر ڈالی:-

”شکر ہے فاضل مضمون نگار نے قرآن کا نام بھی لیا ہے۔ لیکن مسیح کے جس معجزے کا ذکر قرآن میں ہے اسے شعبدہ بازی کہنا کچھ عجیب سا ہے۔۔۔۔۔ اگر مسیح کے نام کی کوئی قدر و منزلت آپ کے

دل میں نہیں تو خدا کے حکم کی لاج ہی رکھ لیجئے جس کے حکم سے آپ (بمحافظ قرآن) اس مٹی کے پرندہ کو زندہ کرتے تھے لیکن یہ شخص قرآن مجید میں بیان کردہ معجزات کو شعبہ بازی کہتا ہے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں۔ اور کیا فتویٰ ہے اس ماہنامہ محدث کے بارے میں جو نہ صرف ایسے کفر آمیز مضامین شائع کرتا ہے بلکہ ایسے مضمون لکھنے والے پر ونیسر صاحب کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کرتا ہے "مزید لکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار نے مرزا قادیانی سے بھی استفادہ کیا ہے" کبھی بعد: مرزا قادیانی کی شاگردی کا صاحب مضمون نے ایک اور ثبوت یہ دیا ہے..... ہم حیران ہیں کہ کس بات نے مزاجِ یار اس قدر برہم کر دیا ہے۔ ہم نے تو کہیں یہ نہیں لکھا کہ مسیح نعوذ باللہ شہید سے باز تھے۔ بلکہ ہم نے تو ایسی رائے رکھنے والوں کی تردید میں درج بالا پیرا گراف لکھا تھا لیکن پادری صاحب پہلے ایک بات خود سے تخلیق کر کے ہماری مرضی کے علی الرغم ہمارے عقائد کے طور پر باور کرانا چاہتے ہیں اور پھر خود ہی اس پر ہماری تردید میں بلکان ہوئے جارہے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ:

۱۔ وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے
 مسیح کا مصلوب ہونا اور صلیب پر انہیں موت آنا مسیحیت کا بنیادی عقیدہ ہے۔ انجیلوں میں یہی لکھا ہے کہ مقدمہ چلانے کے بعد مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا گیا اور ایک دفعہ وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ قرآن کریم اس کی نفی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مسیح کو نہ قتل کیا گیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا یا گیا۔ ہم نے اپنے گزشتہ مضمون میں اس بات کا ذکر کیا تھا۔ انجیل چونکہ ایک تحریف شدہ کتاب ہے جس کے مختلف نسخوں میں اختلافات کی تعداد خود عیسائی محققین دس لاکھ تک شمار کر چکے ہیں اس لئے مسیح کے مصلوب ہونے کے بارے میں انجیل کی شہادت ناقابل اعتبار ہے۔ ہم نے گزشتہ مضمون میں ان امکانات کا ذکر کیا تھا جن کے باعث عیسائیوں کو شبہ ہوا کہ مسیح صلیب پر لٹکا دیئے گئے ہیں۔ وہ امکانات ہمارے نظریات نہیں تھے نہ ہی میں اس ضمن میں اپنے نظریات قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن نے واضح انداز میں فرمادیا ہے "وَمَا تَلَوْا وَ مَا سَبُّوْا وَلٰكِنْ شَيْءٌ لَّكُمْ" یعنی انہوں نے مسیح کو قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ (یہ کام) ان کے لئے مشتبہ بنا دیا گیا۔

ہم نے تو عیسائیوں کا شبہ دور کرنے کے لئے چند امکانات کی صورتیں پیش کی تھیں مثلاً لکھا تھا کہ "مسیح کو رات کے وقت اندھیرے میں باغ سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مسیح کی بجائے کسی اور شخص کو گرفتار کر لیا ہو۔ گرفتار کرنے والے آپ کو شکل سے نہیں پہچانتے تھے۔ یہ وہ سبب ہے جو دور ہی سے نشان دہی کی ہو گی۔ غلط طور پر گرفتار ہونے والا لاکھ شور مچائے کہ میں مسیح نہیں ہوں

لیکن اس شور کو کیا اہمیت دی گئی ہوگی۔۔۔۔۔ اس پر پادری صاحب لکھتے ہیں:

” واضح رہے کہ مسیح کی بجائے کسی شخص کی گرفتاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہود وہ نہ دور سے نشان دہی نہیں کی تھی بلکہ اس نے کہا تھا کہ جس شخص کا بوسہ لوں وہی مسیح ہے۔۔۔ ہمارے بیان کردہ امکانات اور اس پر پادری صاحب کے تبصرے پر غور کرنے سے ہمارے ذہن میں ایک اور بات آئی ہے۔ وہ یہ کہ آخر یہود وہ مسیح کی نشان دہی کی ضرورت کیوں پیش آئی، یہودی سرداروں نے ان خود ہی یہ قدم کیوں نہ اٹھایا، انہیں یہود وہ اس معاملے کے عوض معاوضہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ سوالات ہمارے ذہن میں اس لئے ابھرے ہیں کہ مسیح کسی غیر معروف شخصیت کا نام نہیں تھا۔ نہ ہی وہ اہل یروشلم کے لئے اجنبی تھے۔ یہودی سردار اور یروشلم کے عوام و خواص ان سے شخصی طور پر بخوبی متعارف تھے۔ کیونکہ آپ جب بھی یروشلم آتے تو یہودی کاہنوں سے ان کے دوبرو مناظرے ہوتے۔ جن میں عوام کی کثیر تعداد بھی شریک ہوتی۔ مسیح یروشلم میں چل پھر کر تبلیغ کرتے اور عوام کے ہجوم ان کے آگے بچے چلتے تھے۔ راہ نور آپ کے گرد بڑے بڑے ہجوم دیکھ کر پوچھتے کہ یہ کون ہیں؟ سیکل میں جاتے تو آپ کے گرد ہجوم ہو جاتا جن کے سامنے آپ اپنی تعلیمات پیش کرتے۔ یہ تفصیلات اناجیل میں بھی موجود ہیں۔ اس پس منظر میں یہ کہنا کہ آپ کی گرفتاری کے لئے یروشلم کے یہودی سرداروں کو آپ کے کسی خاص شاگرد کو خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو جو آپ کی نشان دہی کر سکے بالکل غلط ہے۔ یا تو مسیح ایک غیر معروف آدمی تھے۔ یروشلم کے لوگ ان کے چہرہ شناسا نہیں تھے جو نشان دہی کے لئے ایک شاگرد کو خرید کیا گیا۔ اور اگر آپ معروف و مقبول آدمی تھے تو خرید و فروخت کا یہ انجیلی افسانہ بنیاد ہے۔ پادری صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک کون سی صورت ٹھیک ہے؟ میرے خیال کے مطابق اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، وہ یہ کہ قرآن کے فرمان کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح کو صلیب پر چڑھایا ہی نہیں گیا۔

دوسرا امکان ہم نے یہ ذکر کیا تھا۔۔۔۔۔ مسیح دبیلے پتلے تھے۔ وہ صلیب کی لکڑی خود اٹھا کر صلیب گھر تک نہیں لے جاسکتے تھے۔ ایک اور شخص کو اس کام پر متعین کیا گیا۔ وہ آپ کے ساتھ لکڑی اٹھا کر اوپر لے گیا۔ لوگ نیچے رہ گئے۔ صلیب گھر کے جلا دنے دیکھا کہ حسب دستور مجرم صلیب لئے آ رہا ہے۔ اس نے موٹے آدمی کو مجرم سمجھا کیونکہ مجرم خود ہی صلیب اٹھا کر لے جاتا تھا۔ اب اسے صلیب پر لٹکانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ شور مچا رہا ہے کہ میں تو معادلی تھا۔ مجرم یہ ہے۔ لیکن اس شور پر کون یقین کرے گا۔۔۔۔۔ اس پر پادری صاحب یوں تبصرہ کناں ہیں:

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب قرآن اور انجیل سے قطعاً ناواقف ہیں اور نہ حکومت کے انتظام سے آگاہ ہیں کہ موت کی سزا پانے والے ملزم کے بارے میں حکومت کے کارندے کتنے غلط اور چوکتے ہوتے ہیں۔ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے بارے میں یہ لکھنا کہ مسیح کی جگہ کسی موٹے آدمی کو صلیب دے دیا گیا۔ وہاں اندھیر نگری چوہٹ راجہ نہیں تھا۔“

انجیل میں اس موٹے آدمی کا نام بھی موجود ہے۔ لکھا ہے: ”جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نامی ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔“ (زندہ کلام ص ۳۳۔ انجیل متی)۔ لیکن پادری صاحب کا کہنا ہے کہ غلط آدمی کو صلیب پر اس لئے نہیں لٹکایا گیا کہ دنیا کی اس سب سے بڑی حکومت میں اندھیر نگری چوہٹ راجہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس اناجیل میں اس حکومت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ تو اندھیر نگری کی ہی غمازی کرتی ہے۔ آخر مسیح کا کیا جرم تھا جو آپ کیلئے صلیب کی سزا تجویز کر دی گئی۔ رومی حاکم پیلاطوس کے سامنے آپ کے مقدمے کی جو تفصیلات اناجیل میں ملتی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح مجرم نہیں تھے اور خود رومی حاکم بھی اس بات کا قائل تھا کہ مسیح نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی بنا پر وہ واجب القتل ٹھہرتے ہوں۔ وہ انہیں چھوڑنا چاہتا ہے۔ اس کی بیوی آپ کی سفارش کرتی ہے لیکن پھر بھی آپ کو صلیب کی سزا سنائی گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہودیوں کا مطالبہ تھا کہ اسے صلیب پر لٹکا دیا جائے۔

قارئین! غور فرمائیں۔ اگر ایک ہجوم حکومت وقت سے یہ مطالبہ نعرہ بازی کی صورت میں شروع کر دے کہ قاتل شخص کو پھانسی دے دی جائے۔ حکومت کے پاس اس کے کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ ہو اور محض اس ہجوم کے کہنے پر ایک بے گناہ کی جان لے لے تو کیا آپ اس صورت حال کو اندھیر نگری چوہٹ راجہ کے سوا کوئی اور نام دینے کو تیار ہوں گے؟ جو حکومت مظاہرین کے مطالبے پر اپنی تسلی کے بغیر کسی بے گناہ کو سزائے موت کا حکم سناسکتی ہو کیا اس کی عملداری میں ایسا شخص پھانسی نہیں پاتا سکتا جو دستور کے مطابق صلیب کی لکڑیاں اٹھا کر صلیب گھر کے جلا دتک پہنچتا ہے۔ جلا د کو اس بات سے کیا غرض کہ کس نے کیا جرم کیا ہے؟ اس نے تو صلیب پر لٹکا نا ہے اور دستور یہ ہے کہ سزا پانے والا ملزم خود ہی لکڑیاں اٹھا کر اس کے پاس پہنچتا ہے۔ وہ مسیح سے شخصی طور پر واقف بھی نہیں ہے کیونکہ اس کا پیشہ اس طرح کا ہے کہ وہ عوام میں گھل مل کر نہیں رہ سکتا۔ وہ صرف اپنی ڈیوٹی کی جگہ مقید رہتا ہے۔ وہ دستور کے مطابق لکڑیاں اٹھا کر آنے والے کو مجرم سمجھ کر صلیب پر چڑھانا جانتا ہے اور یہاں بھی اس نے یہی کیا ہے۔ یہ حال یہ بھی ایک امکان ہے۔ ہمارا نظریہ نہیں ہے۔ ورنہ سیدھی سی بات ہم یہی جانتے ہیں

کہ صلیب پر بیخ کو چڑھایا ہی نہیں گیا جو قرآن کا موقف ہے۔ ہم حیران ہیں کہ پادری صاحب نے کس بنا پر یہ کہہ دیا ہے کہ انجیل کی طرح قرآن بھی مسیح کی صلیبی موت کی تصدیق کرتا ہے۔ پادری صاحب یا ان کا کوئی ہم مسلک اس امر کی وضاحت فرمادے۔ ہم گوش بر آواز ہیں۔

رسول مقبول نمبر کے بعد وارہ محدث کی عظیم پیش کش

ملک مصطفیٰ نمبر

آج کل دنیا مختلف انہوں اور نظاموں سے سختی ہوئی جب اسلام کی طرف نظر اٹھاتی ہے تو اسے مسلمانوں کے بلند باگ و عود اور نعروں کے سوا خود نام لیواؤں کی زندگیوں میں وہ روشنی نظر نہیں آتی جسے انسانیت کچھ دیکھوں کا ملوایا کہا جاسکے۔ چنانچہ یہی چیز اسلام کی عظیم فوز و فلاح کے قبول کرنے میں روکاؤ بن جاتی ہے۔ سلامیت کے دور میں مسلمانوں کی اس کمزوری کے اعتراف کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ کے بھروسوں سے وہ روشنی نظر آتی ہے جو اسلام کے دامن میں پناہ لینے والوں کیلئے دنیا و آخرت کی سر ملندریوں کا پیغام دیتی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسی سیرت و کردار کو اپنائیں جو ہمارے لئے ماضی کا سرمایہ افتخار ہے تو حال و مستقبل کی سر فرازیوں کا ضامن بھی!

چونکہ سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے اولین ضرورت نقشہ کار کی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے اسوہ حسنہ کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تابناک پہلو محدث کی دو سابقہ ضخیم خصوصی اشاعتوں "رسول مقبول نمبر حصہ اول" پیش کی تھے جو ہر دور کا ابدی پیغام ہیں۔

گزشتہ سال کی "تخریک نظام مصطفیٰ" کے بعد ملک میں برسر اقتدار عبوری انتظامیہ کی مخلصانہ کوششوں سے دین اسلام کی کار فرمائی کی منزل قریب تر نظر آرہی ہے۔ اسی لئے عبوری حکومت نے بانی پاکستان اور مفکر پاکستان کے سال منانے کے بعد رواں سال کو نظریہ پاکستان کے طور پر اسلام "منانے کا اعلان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عوامی قربانیوں کی بذلت جو آواز اب سر ملک کی متفقہ پکار بن رہی ہے اس کا عملی نقشہ پیش کرنے کا چیلنج "خواص" کو ہی ہے اسلام کے یہی خطوط اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں ملت مصطفیٰ آئیں۔ جن پر کار بند ہو کر ملت پاکستانیہ دولت اسلامیہ صحیح معنوں میں تشکیل پاسکتی ہے۔ چنانچہ علی میدان میں اپنا حصہ ادا کرنے کیلئے ادارہ محدث نے اپنی سابقہ روایات کے شایان شان قیمت مصطفیٰ نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے جو تیاری کے مراحل میں ہے۔ عتقرب اس کا مکمل نقشہ بذریعہ "انتہار" شائع کروایا جائیگا۔ جن اہل علم حضرات اس سلسلے میں ایشافہ یا ذریعہ خط و کتابت قلمی تعاون کی گنج گاہ ہوتی ہے وہ اولین فرصت میں اپنی گنج گاہ بھیج دیں (ادارہ)

حضرت عکاشہ بن محصن اسدی

(۱)

ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان "جنت البقیع" میں شمع توحید کے چند پروانوں کے درمیان رونق افروز تھے اور یوم حشر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اثنائے گفتگو میں مہبط وحی و رسالت نے فرمایا:

”قیامت کے دن اس قبرستان کے ستر ہزار آدمی کسی صاحب کتاب کے بغیر بخش دیئے جائیں گے“
 حضور کا ارشاد سن کر حاضرین میں سے ایک صاحب بڑے انتہائی اور معصومانہ سادگی کے ساتھ پوچھا:
 ”اے اللہ کے رسول! آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔“
 حضور نے فرمایا: ”تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔“

یہ سن کر وہ صاحب فرط مسرت سے بے خود ہو گئے اور بے اختیار ان کی زبان پر تحمید و تہلیل جاری ہو گئی۔

اب ایک دوسرے صاحب نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! میرے بارے میں بھی“
 تو حضور نے فرمایا: ”سَبَقَكَ بِمَا عَكَاشَةُ“ یعنی عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔ اور پھر حضور کے یہ الفاظ مبارک ”ضرب المثل“ کی صورت اختیار کر گئے۔ جب کوئی شخص کسی کام میں پہل کر جاتا تو لوگ کہتے: ”فلان عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا۔“

بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونے کی بشارت پانے میں دوسروں پر سبقت لے جانے والے یہ عکاشہ بن محصن بن خثان کے نخت جگر تھے اور بنو اسد بن خزیمہ کی شاخ بنی غنم بن دودان کے چشمہ چراغ تھے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عکاشہ بن محصن بن خثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔
 یہ قبیلہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس (قریش) کا حلیف تھا۔ حضرت عکاشہ کی کنیت ابو محصن تھی اور انہوں

لہ بخاری مسلم وغیرہ

نے اس وقت حتیٰ پر لبیک کہی تھی۔ جب ایسا کرنا تواریک دھار پر چلنے کے مترادف تھا۔ اس طرح وہ سَابِقُونَ الْأَوَّلُونَ کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کی سعادت غلطی سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ جب مشرکین قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو حضرت عکاشہؓ کے قبیلہ کے بہت سے لوگ (جو مشرک بر اسلام ہو چکے تھے) حضورؐ کے ایاء پر پیش کو ہجرت کر گئے اور وہاں ابن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن حضرت عکاشہؓ ہجرت مدینہ تک مکہ ہی میں مقیم رہے اور مردانہ وار راہِ حق میں کفار کے ظلم و ستم سہتے رہے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ تو عکاشہؓ بھی دوسرے بلاکشان اسلام کے ساتھ ارض مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔

(۲)

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے وہ "سَرِیہ عبد اللہ بن حبش" (رجب ۲ھ) میں شریک ہوئے اس سرِیہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن حبش کو دس یا بارہ صحابہ پر امیر مقرر فرمایا اور ایک سر بہر خط دے کر انہیں حکم دیا کہ اس کو دو دن کے بعد کھولنا۔ دو دن کے بعد حضرت عبد اللہ نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان) ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگاؤ۔ اور ہمیں مطلع کرو۔ حضرت عبد اللہ نے اس خط کے مضمون سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر کے فرمایا۔ کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پورا کر کے رہوں گا۔ جسے راہِ حق میں جان قربان کرنے میں کوئی عار نہ ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کی مرضی نہ ہو وہ بخوشی واپس چلا جائے۔

ان کے سمجھی ساتھیوں نے (جن میں عکاشہؓ بن محصن بھی شامل تھے) ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ اس جیش نے وہاں سے چل کر نخلہ میں قیام کیا۔ اتفاق سے قریش کا ایک کڑاؤ تجارت مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب ہی آکر اُترا۔ انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو ڈرے۔ مگر پھر عکاشہؓ بن محصن جنہوں نے سر منڈ دار رکھا تھا۔ پہاڑ سے ان کے سامنے برآمد ہوئے تو وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو گئے۔ کہ یہ عمرہ کرنے والے لوگ ہیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔

اُدھر مسلمانوں نے بھی مشورہ کے بعد طے کیا کہ اس قافلے کو بچ کر نہیں جانے دینا چاہیے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ جمادی الاخرہ کا آخری دن ہے۔ لیکن فی الحقیقت ماہِ رجب شروع ہو چکا تھا۔ جس میں جدال و قتال کی ممانعت ہے۔ مسلمانوں نے اشتباہ و التباس میں مشرکین قریش سے لڑائی چھیڑ دی۔ ایک مجاہد نے سالارِ قافلہ عمرو بن حضرمی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ مخزومی کو گرفتار کر لیا۔ قافلہ کے باقی آدمی بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ملتا تھا آیا۔ حضرت

عبداللہؐ نے اس کا پانچواں حصہ علیہہ کر کے باقی سب شرکائے سریرہ میں بحدہ مساوی تقسیم کر دیا۔ حضرت عبداللہؐ مال غنیمت اور قیدی لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا "کیا میں نے حرمت والے مہینے میں تمہیں لڑائی سے منع نہیں کیا تھا؟"

حضرت عبداللہؐ اور ان کے ساتھیوں نے عذر پیش کیا کہ تم سے مہینوں کا حساب لگانے میں غلطی ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ لڑائی کے دن جمادی الآخرہ کی آخری تاریخ ہے۔

ادھر مشرکین مکہ اور یہود نے بھی مسلمانوں کو طعنے دینے شروع کر دیے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے۔

پنچاچھ حضورؐ نے مال غنیمت میں تصرف کرنے سے انکار کر دیا۔ سب شرکائے سریرہ اپنے فعل پر سخت نادم اور شیمان تھے۔ اور بارگاہِ خداوندی میں رو رو کر اپنی بخشش کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اس وقت رحمتِ خداوندی ہوش میں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ
عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ (بقرہ - رکوع ۲۷)

ترجمہ ۱۔ لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے؟ کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام اور اس کے اہل (مسلمانوں) کو اس سے خارج کرنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔

اس آیت کے نزول سے مسلمانوں کی تسکین خاطر ہو گئی۔ اور حضورؐ نے بھی مال غنیمت قبول فرمایا۔

(۳)

غزواتِ نبوی کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عکاشہ بن محصن نے بدر، اُحد، احزاب، خیبر، فتح حنین، تبوک سبھی غزوات میں جانا زمانہ حصہ لیا۔ اور ہر معرکے میں اخلاص و ایثار اور شجاعت کا غیر معمولی مظاہرہ کیا۔ غزوہ بدر میں اپنے بھائی ابوسنان بن محصن اور بھتیجے سنان بن ابی سنان بن محصن کو ساتھ لے کر شریک ہوئے۔ اور حیرت انگیز شجاعت و ہسات سے لڑے۔ حافظ ابن عبدالبر نے لاسیتفا میں لکھا ہے۔ کہ لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی۔ وہ یہی چھڑی لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اور

رہائی ختم ہونے تک واد شجاعت دیتے رہے۔ اس غزوے میں قریش کا ایک نامی جنگجو معاویہ بن قیس ان کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔

ربیع الاول یا بروایت دیگر ربیع الآخر) سلسلہ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بنو اسد بن خزیمہ کی ایک جمیعت نے چنیمہ غمر مزوق کے قریب پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور اس کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا ہے۔ حضور نے حضرت عکاشہ بن محسن کو چالیس سوار دے کر حکم دیا کہ فوراً جا کر ان شر پسندوں کی سرکوبی کریں۔ حضرت عکاشہ طوفانِ باد کی طرح ان لوگوں کے سر پر پہنچے بنو اسد کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے حضرت عکاشہ نے ان کے دو سوار فٹ پکڑ لئے اور انہیں ساتھ لے کر کامیاب و کامران مدینہ منورہ واپس آئے۔ یہ ہم سرتہ عکاشہ بن محسن یا سرتہ غمر مزوق کے نام سے مشہور ہے۔

اسی سال ۴ھ میں حضرت عکاشہ کو ان چودہ سونفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر رٹنے مرنے کی بیعت کی۔ اور "اصحاب الشجرہ" کا لقب پا کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کی بشارت حاصل کی۔

(۴)

سلسلہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سریرِ آرائے خلافت جوئے تو سارے عرب میں دفعتاً فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس موقع پر خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود بے مثال استقامت، شجاعت اور جوشِ ایمانی کا مظاہرہ کیا، انہوں نے مردوں کے تمام مطالبے سختی کے ساتھ رد کر دیئے اور ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

مرتدین کے ایک طاقتور گروہ کی قیادت طلحہ بن خویلد کر رہا تھا۔ یہ شخص بلا کا جنگجو تھا۔ اور صحابہ عاںِ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ دراصل وہ عہدِ رسالت کے اواخر ہی میں ارتداد میں مبتلا ہو گیا تھا اور نبوت کا مدعی بن بیٹھا تھا۔ حضورؐ نے اس کے ارتداد اور جھوٹے دعویٰ کی خبر سن کر حضرت ضرار بن ازور کو اس کی سرکوبی پر مامور فرمایا تھا۔ طلحہ حضرت عکاشہؓ کے قبیلے بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور حضرت ضرارؓ بن ازور بھی اسی قبیلے کے فرد تھے۔ حضرت ضرارؓ نے واردات کے مقام پر طلحہ اور اس کے حواریوں کو زبردست شکست دیا۔ اس رہائی میں حضرت عکاشہؓ کے ہمتیہ حضرت سنان بن محسن نے حضرت ضرارؓ کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ ان کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور

خاص پیغام بھیجا تھا کہ وہ ضرار کے ساتھ مل کر طلیحہ کے خلاف جنگ کریں۔ حضرت ضرار طلیحہ کو شکست دے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین کے خلاف جہاد کے لئے مختلف اطراف کو جوش بھیجے تو حضرت عکاشہؓ اور حضرت ضرارؓ خالد بن ولید کے دستے میں شامل ہو گئے۔ حضرت خالدؓ سب سے پہلے طلیحہ کی طرف متوجہ ہوئے جو حضرت ضرارؓ نے شکست کھا کر براہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ اور قبائل طے، فزارہ اور اسد کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے حضرت عکاشہؓ اور حضرت ثابتؓ بن اقرم کو طلیحہ کی خدمت پر مامور فرمایا۔ وہ دیکھ بھال کے لئے اپنے لشکر کے آگے گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے کہ اتفاقاً دشمن کے سواروں سے ٹکرائے ہو گئے۔ ان میں طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد بھی شامل تھے۔ طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ نے حضرت ثابتؓ پر۔ حضرت ثابتؓ تو جلد ہی سلمہ کے ہاتھوں رتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ لیکن حضرت عکاشہؓ نے طلیحہ کو ایسا تیرچ کیا کہ وہ سلمہ کو اپنی مدد کے لئے پکارنے لگا۔ سلمہ حضرت ثابتؓ سے فارغ ہو چکا تھا۔ وہ فوراً ادھر لپکا اور دونوں بھائیوں نے مل کر حضرت عکاشہؓ کو اپنے زرعے میں لے لیا۔ دو عرب کے نامی جنگجو تھے (بعد میں طلیحہ کو ایک ہزار شجاعان عرب کے برابر تسلیم کیا گیا) لیکن حضرت عکاشہؓ نے کمال ثابت قدمی کے ساتھ ان دونوں کا مقابلہ کیا۔ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ لیکن برابر مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مڈھال ہو کر گر پڑے اور خلد برب کو سدھارے۔

جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو دونوں جانبازوں (حضرت عکاشہؓ اور حضرت ثابتؓ) کو خاکِ خون میں غلطاً دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاثروں کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور ساری فوج کو روک کر بادیہ پُریم راہِ حق کے دونوں شہیدوں کو ان کے خون آلود کپڑوں میں ہی سپردِ خاک کیا۔ اس کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر طلیحہ کو فیصلہ کن شکست دی اور وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ خدا کی شانِ بعد میں اسی طلیحہ کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی اور قیامِ شام کے دوران میں ہی اس نے سچے دل سے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ ایک مرتبہ وہ خلافتِ صدیقی کے زمانے میں عمرہ کے لئے مکہ ہارٹا تھا۔ مدینہ کے قریب سے گزرا تو کسی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطلاع دی کہ طلیحہ جا رہا ہے۔ سن کر فرمایا: اب وہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے۔ جانے دو۔

خلافتِ فاروقی میں وہ مدینہ آکر حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رجعت کی خواہش

ظاہر کی حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”طلیحہ تم نے اپنے من گھڑت الفاظ کو وحی الہی سے تعبیر کر کے خدا پر افترا کیا“

طلیحہ نے کہا ”امیر المؤمنین یہ بھی کفر کے نقول میں سے ایک فتنہ تھا۔ جسے اسلام نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اب مجھے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے“

حضرت عمرؓ یہ کفر کا موٹا ہو گئے اور اس کی بیعت قبول کر لی۔ طلیحہ نے اپنے گوشہ نشین کردار کی تلافی یوں کی کہ اس دور کے متعدد مسخر کوں میں اعدائے اسلام کے خلاف جاننازانہ شرکت کی اور حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔

حضرت عکاشہؓ بن محسن کی کتاب سیرت میں سبقت فی الاسلام راہ حق میں بلا کشتی، شوق جہاد اور فکر آخرت سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ علامہ ابن اثیر نے اُسند الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عکاشہؓ نہایت ہبیل القدر صحابی تھے۔ اور فضلاء صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔

فی الحقیقت خوش بختی اور جلالت قدر کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ خود لسانِ سات نے انہیں بغیر حساب کتاب جہنت میں داخل ہونے کی بشارت دی۔ ع
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی بجائے ہے

نعتوں کا بے مثال مجموعہ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

راز کشمیری

مہربانہ

رابطہ کیلئے

راز کشمیری۔ حاجی پورہ گوہر انوار

تعارفے تبصرہ کتب

علم و حدیث میں پاک و ہند کا حصہ
ترجمہ
صفحات
قیمت
۳۰۸
۱۶ روپے

ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

”کنٹری بیژن آف انڈیا ٹودی اسٹڈی آف حادیث لٹریچر کا یہ اردو ترجمہ ہے جو جناب شاہد حسین رزاقی نے کیا ہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر محمد اسحق صاحب سابق پروفیسر عربی و اسلامیات دھاکہ یونیورسٹی نے بر عظیم پاک و ہند میں علم حدیث کی آمد اور پھر مختلف ادوار میں علم ہند نے اس پر جو کام کیا ہے۔ اس پر اپنا ایک تحقیقی اور تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔

اس سے پہلے ادارہ ثقافت اسلامیہ علم و فقہ پر بھی اسی طرح کی ایک اور کتاب پیش کر چکا ہے۔ اس کے مرتب اور لکھنے والے بھی محمد اسحق ہی ہیں۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ ”علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ“ کے مولف کے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھا ہے اور برعکس پاک و ہند میں علم فقہ کے مصنف کے نام کے ساتھ ”مولانا لکھا ہے“ مولانا اسحق کی کتاب ”برعکس پاک و ہند میں علم فقہ“ میں ایک اضافہ یہ بھی ہے۔ کہ مولف موصوف نے فقہائے کرام کے تذکار میں ان کے فقہی نکات اور فتاویٰ بھی پیش کئے ہیں۔ اگر ڈاکٹر محمد اسحق صاحب بھی اپنی کتاب ”علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ“ میں محدثانہ نکات کا بھی ممکن حد تک اترام فرماتے تو سونے پر سونا کہ ہوتا۔ ہاں بعض اعلیٰ اخلاقی اقدار و اتباع سنن کے سلسلے کی کچھ باتیں کہیں کہیں ملتی ہیں۔ ایں ہم غنیمت است!

دونوں اہل قلم ہیں اور دونوں ہی نے ایک اچھوتے عنوان کا انتخاب کیا ہے۔ اور پھر اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں پانچ باب اور متعدد فصلیں ہیں۔ دوسرے حصے میں تین باب

میں اور متحدہ فصلیں ہیں۔

پہلے حصہ کے باب اول میں "ہند میں صحابہ کرام کا درود، باب دوم میں عربوں کے عہد میں سندھ میں علم حدیث، باب سوم میں "شمالی ہند" باب چہارم میں "ہند میں علم حدیث کا احیا" اور باب پنجم میں "ہند میں محدثین کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

دوسرے حصہ کے باب اول میں "قدیم ہندی راویان حدیث" - باب دوم میں "حسن الصغافی اور ان کی تصانیف" - باب سوم میں "ہندی محدثین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب کی گئی ہے جس کے مضامین کی ترتیب قدرتی سی محسوس ہوتی ہے۔ اور اس میں معلومات اور تاریخی حقائق کا ایک بحر ذخار ہے جو ٹھکانیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ کتاب کے تمام مندرجات سے سن و عن اتفاق کرنا تو مشکل ہوتا ہے، جہاں تک اس کی مجموعی حیثیت ہے وہ اتنی بخش بھی ہے اور بصیرت افزا بھی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ سخت و مارج کے زیر سایہ کام آنا نہیں ہوا جتنا علمائے حق نے نجی حیثیت میں کیا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسے ایام بھی آئے ہیں کہ ان کو اپنے علم اور قلم کی آبرو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان اور آرام کی قربانی بھی دینا پڑی ہے تو انہوں نے دریغ نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے، تاکہ ہمیں اپنے اسلاف کی محنتوں کا اندازہ ہو سکے۔ اور یہ معلوم ہو سکے کہ جان جو کھوں میں ڈالی کروہ جو دراشت ہمارے حوالے کر گئے ہیں اس کا ہم نے کتنا احترام کیا ہے۔ اور اب ہماری ذمہ داری کیا ہے۔

زبدۃ الحکماء حکیم نور احمد

۲- طب و صحت

۲۶۱

صفحات

۱۰ روپے

قیمت غیر مجلد

مکتبہ نور الصحت عبد الکریم روڈ قلعہ شاہ فیصل لاہور

پتہ

در اصل یہ کتاب زیادہ تر ان مضامین پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً روزنامہ شرق اور ففاق وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس میں ایک سو سے زیادہ جڑی بوٹیوں، پھلوں اور پھپھوؤں کے خواص اور تجرب نسخہ جات آگئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک نوبی یہ بھی ہے کہ اس کے مطالعہ سے طبی ذہن بنتا ہے۔ اور بہت سی اصولی باتیں اور کلیات بھی ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔

صحت کے سلسلے میں مولف موصوف نے بہت بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اور طبی دنیا میں

ان کی خدمات کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بہر حال طب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک نادر تحفہ ہے۔

۳۔ صحابہ کبار حضرت علی کی نظر میں جناب منشی عبدالرحمن خاں صاحب

۱۱۶

صفحات

۵ روپے

قیمت

جاویدا کیڈ پی جھیک ملتان پتہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین امت مسلمہ کا وہ ایک مثالی معاشرہ ہے جو قرآن اور اسوہ حسنہ کا پہلا امین اور رفیق اور دین مبین کا ناقول اور راوی ہے اور مجموعی لحاظ سے اس طائفہ تحفہ کے ثبوت و قرآن اور رسولؐ نے اعتماد کیا ہے اور ان کو سراہا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی فرد یا جماعت ان کے سلسلے میں غیر محتاط رویہ نہ کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد اسلام اور اسلامی حقائق کی بات ایک مجذوب کی بڑھ کر رہ جائے گی۔ جب اس ذریعہ سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر یہ کہنا کہ قرآن یا رسولؐ برحق ہیں۔ آخر کس منہ سے کہیں گے؟ کیونکہ قرآن اور رسولؐ کے تعارف کا ذریعہ بھی صحابہ کرام ہی ہیں۔

بھئی! ان میں باہم بخشش ہوئی، لیکن ہم ان کے جواب دہ ہیں۔ نہ ان کے سلسلے میں ہمیں فیصلہ کرنے کی تکلیف دی گئی ہے اور جو ہوئی وہ بھی جاتی رہیں اور جتنی ہوئی، دین کے سلسلے میں نہیں، نجی حیثیت میں ہوئی اور بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ہوئی۔ ہم اگر اس میں فریق بننے کی کوشش کریں گے تو غلطی کریں گے۔ کیونکہ ان کی بنیاد پر ہمارا کوئی بھی مسئلہ اٹکا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ ان میں پڑ کر اپنی آخرت کو داغدار کرنا دانشمندی نہیں۔ ورنہ دین کے سلسلے میں امان اٹھ جائے گی۔

مندرجہ بالا کتاب میں تقریباً تقریباً اسی بات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ایسی مبارک ہوتی ہے جو سب کی آنکھوں کا تار ہے۔ ”انکھیں میری باتی ان کا“ کا سماں جہاں طاری ہو جائے۔ وہاں تسلیم و رضا کے بغیر چارہ نہیں رہتا عزت موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ انہوں نے ایک نادر طریقے کے ساتھ ایک بڑی بات کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے۔

امام محمد اسماعیل الیہانی

۱۸۶

صفحات

۱۲ روپے

قیمت

صاحب التعلیق

مولانا محمد رفیق اثری

پتہ

۱۔ فاروقی کتب خانہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان

۲۔ جمعیتہ النشر والتالیف الاثریہ۔ شارع

دارالحديث۔ جلال پور پیر والہ۔ ملتان۔

قرآن حکیم کے بعد احکام و مسائل کا دوسرا شرعی ماخذ "حدیث رسول" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شب و روز کی زبان ہے، آئینہ ہے اور ترجمان ہے گو یا کہ حدیث، اسوۂ حسنہ کا ایک تفصیلی بیان ہے جس کو قابل اعتماد راویوں نے ہم تک پہنچایا ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ
كَتَبَتْ (احزاب ع)

تمہارے لیے رسول اللہ کی چال سیکھنی بھلی تھی، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور بہت سا اللہ کو یاد کرتا ہے۔

اس آیت میں جس مبارک چال (طرز حیات) کو اپنانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ رسول پاک کے شب و روز ہی تو ہیں۔ جن کو محدثین نے "حدیث" کے نام سے جمع کر دیا ہے۔ ہاں اس کے لیے یہ فردی تھا کہ حضور کی طرف جو بات منسوب کی جائے وہ غلط نہ ہو، اس لیے محدثین نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ جو روایت جس واسطے (سند) سے پہنچے، اس کی تفصیل بھی معلوم ہو تاکہ دیکھ بھال یا جملے کو جو بیان کرنے والے ہیں۔ وہ ضبط، عدالت اور دیانت کے اعتبار سے کس پائے کے ہیں۔ پس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے محدثین نے کچھ اصول اور ضوابط بنائے تاکہ ان روایات کا حال معلوم ہو سکے کہ وہ منقول ہیں یا منقطع، راوی مجتہد ہیں یا غیر مجتہد، نقل روایت میں ان سے کسی قسم کی منسوی غلطی تو نہیں ہوئی؟ ان سب کا خلاصہ یہ ہے۔

جو روایت بیان کی جائے، بیان کرنے والا یہ بھی بتائے کہ اسے یہ بات کس نے بتائی ہے۔ اس کو کس نے بتائی تا آخر اس کو سلسلہ سند کہتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ جو بیان کرنے والا ہے۔ دیکھا جائے کہ وہ فہم روایت، کیرکٹر، دیانتدار اور ضبط و حافظہ کے اعتبار سے کیسا ہے۔ قابل اعتماد ہے یا نہ؟ قابل اعتماد ہے تو ثقہ و ضعیف

بیان کرنے والا جس سے بیان کر رہا ہے خود اسی سے سنا ہے یا ان کے درمیان اور کوئی واسطہ ہے؟ بلا واسطہ سنا ہے تو اسے متصل کہتے ہیں ورنہ منقطع اور مرسل وغیرہ۔

اس نے جو روایت بیان کی ہے، اس میں اپنے سے زیادہ قابل اعتماد راوی کے موافق چلا ہے یا مخالف؟ موافق ہے تو مقبول ورنہ شاہ یا منکر۔

بیان کرنے والے کے حالات معلوم ہیں یا نہیں؟ معلوم ہیں تو معروف ورنہ مجهول۔ جس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔

روایت بیان کرنے والے کی غلطیاں زیادہ ہیں یا صحت؟ پہلے شخص کی روایت مردود ہوتی ہے دوسرے کی مقبول۔ الایکہ دوسرے طریقے سے اس کی تائید مل جائے۔

المغض اس سلسلے میں محدثین نے جو اصول مدون کیے ہیں وہ احتیاط کی معراج بریں ثابت ہوئے ہیں، اس سے مزید تراخ رسانی بشری دائرہ اختیار اور بہت سے پردے کی بات ہے، جس کا انسان جواب دہ نہیں ہے۔ اگر اس حد تک کوئی شخص اطمینان حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ اس روایت کی اساس پر اپنے لیے ناکثر عمل مرتب کچھ پابند ہو جاتا ہے۔ ذخیرہ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مرتب کردہ اصولوں کے مطابق محدثین نے جو اقدامات کیے ہیں وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ باقی رہے اہل اعتراض اور منکرین حدیث کے دسواں؟ سودہ خبیثہ اور کے دسواں ہیں جو ہوائی دنیا کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ہوائی باتیں بہر حال واقعاتی دنیا کے لیے بالکل ناقابل عمل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کے دسواں کی طرف دھیان نہیں دینا چاہیے۔

محدثین نے اس بارے میں جو اصول تشخیص اور تنویر کیے، محدثین نے کتابیں لکھ کر ان کو یک باکر دیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۵۲۸) کا ایک چوٹا سا رسالہ "نخبۃ الفکر" بھی ہے جو جتنا مختصر ہے اتنا جامع بھی ہے۔ حضرت امام ابیربانی

(ف ۱۱۸۴) نے اسی رسالہ کو نظم کیا اور اس کا نام "قصب السکر" رکھا ہے جو ۲۰۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ پھر اسی کی خود شرح لکھی جس کا نام "اسال المطر علی قصب السکر" رکھا۔ اس میں مؤلف نے گرامر کے لحاظ سے بھی اس کی عبارت کا حل پیش کیا ہے اور مزید یہ کہ ایک آزادانہ فذکی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا جائزہ بھی لیا ہے اور بہت سے مقامات پر جو تبادُل فکر پیش کیا ہے وہاں بے نقطہ نظر سے اس میں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔

یہ کتاب پہلی بار طبع ہوئی ہے، جو مولانا محمد رفیق اثری اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجانی کی خصوصی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ اس کی تصحیح کے لیے ممکن محنت سے کام لیا گیا ہے، تاہم اس کے مختلف نسخوں کی تلاش اور موازنہ کی ابھی گنجائش باقی ہے تاکہ کتاب کے سلسلے میں مزید الشراح کی صورت پیدا ہو سکے۔ ہمارے نزدیک کسی کتاب کا سچا پنا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی تصحیح کا کام مشکل ہے اور جس مخطوطہ کو سامنے رکھ کر کام کیا گیا ہے اس کا تعارف بھی پیش ہونا چاہیے تھا۔

کتاب پر مولانا اثری نے تعلیق بھی لکھی ہے جو مفید کوشش ہے۔ بقول صاحب التحلیق، تعلیق میں عبارت کی تصحیح، تخریج آیات و احادیث اور توضیحی حواشی کا امانہ کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر تشریحی اشارات خاصے مفید رہے ہیں۔

نکتہ الفکر مع نثر بہتہ النظر ہمارے درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے، اگر اس کے ساتھ "ابال المطر" کا بھی مطالعہ شامل کر لیا جائے تو مسلک اہل حدیث کی ترجمانی اور بعض ضوابط کی مجتہدانہ تحقیق کے لیے یہ کتاب خاصی معنی خیز ثابت ہوگی، انشاء اللہ، بالخصوص اہل حدیث مدارس میں نثر بہتہ النظر کے بعد "ابال المطر" سبق پڑھا دی جائے تو زیادہ مفید رہے گی۔

جمیۃ النشر والتالیف الاثریہ مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے مختصر سے عرصے میں "الفیتہ" اور "اسبال" مع تعلیقات شائع کر کے دین کی عظیم خدمت کی ہے۔ جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔

مولانا اثری کے قلمی رشحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمی اور تحقیقی ذوق رکھتے ہیں اور کافی لگن سے کام کر رہے ہیں مگر انھوں نے یہ مشق جاری رکھی تو انشاء اللہ اس میدان میں ان کا قلم اور پختہ ہو جائے گا۔

کراچی کے لئے نمائندہ خصوصی

اجاب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم نے کراچی میں محدث کے کام کو منظم کرنے کے لئے پروفیسر محمد یامین محمدی صاحب کو اپنا نمائندہ متعین کیا۔ محدث کے سلسلہ میں قلمی رابطہ اور محدث کی خصوصی اور عمومی اشاعتوں کے بروقت حصول کے لئے حسب ذیل پتہ پر روزانہ تا ۵ بجے سہ پہر تک شخصی طور پر مل سکتے ہیں۔
آذاذ اکیڈمی متصل بحر العلوم سوویہ، کلکتہ ٹاؤنس، علامہ یوسف راول، عامل سٹریٹ (برنس روڈ) کراچی

☆ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں — لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کے لیے رحمت کا باعث ہے ۔

☆ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار ، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بھلاہ کا درجہ رکھتے ہیں — لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حامدین کو دقیانوس بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے ۔

☆ غیر مذاہب کے بازے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے — لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا ، حمت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے ۔

☆ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے — لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے ۔

☆ آئین و سیاست سے یگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے — لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☆ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد صالحین کے اوصاف میں داخل ہے — لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے ۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمائیے ۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ۔
انشاء اللہ ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں ۔